مسعود جاوید

ایک زندہ شخص کا المیہ، اسے اپنے قاتل کی تلاش تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ کوئی اسے دھیرے دھیرے قتل کررہا ہے۔

ایک انوکھی کہانی، جو اپنے آغاز سے اختتام تک آپ کو گرفت میں رکھے گی
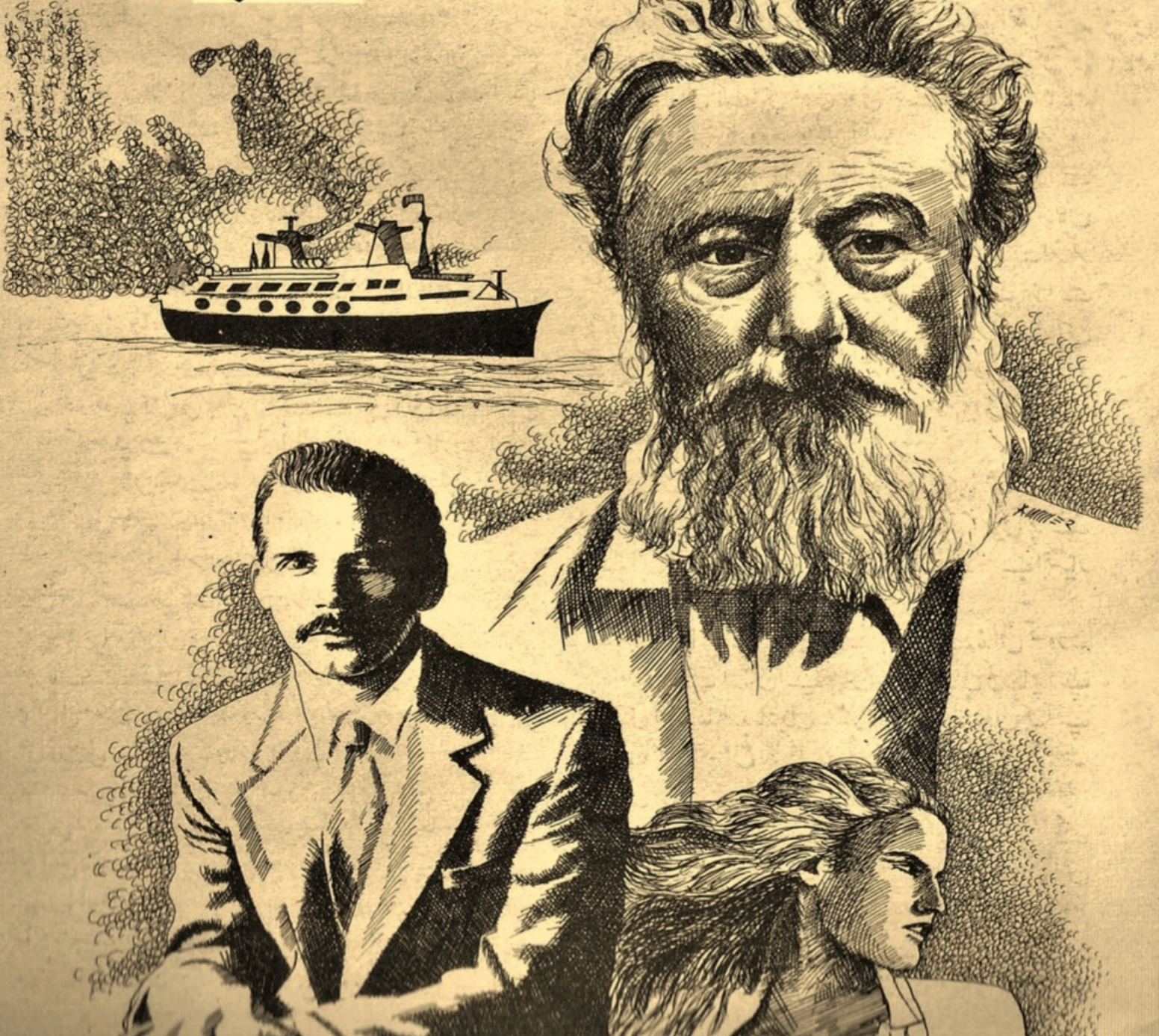
"**میں چاہتا ہوں** کہ آپ میرے قاتل کا سراغ لگائیں۔" بوڑھے کروڑ پتی نے نحیف آواز میں کہا۔

"آپ کا قاتل؟" شہاب نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آپ تو زندہ ہیں، سر عمران۔"

کروڑ پتی سر عمران کے خشک لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ظاہر ہوئی جس نے اس کے جھریوں والے ضعیف چہرے کو اور بھی زیادہ قابل رحم بنا دیا۔ قابل رحم اس لیے کہ سن و سال کے لحاظ سے دراصل وہ اس قدر بوڑھا نہ تھا جتنا نظر آتا تھا۔ اس کی عمر پینتالیس برس سے زیادہ نہ تھی لیکن جوانی اور صحت و توانائی نے وقت سے پیشتر اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور ملک کے سب سے بڑے کامیاب اقتصادی ادارے ہلال بینک کا کم و بیش مالک ہونے اور بے اندازہ دولت نصیب ہونے کے باوجود وہ ایک صحت مند جسم دوبارہ حاصل نہ کر سکا تھا۔ ملک بھر میں شاید ہی کوئی تعلیم یافتہ شخص ایسا ہو جو یہ نہ جانتا ہو کہ سر عمران کے قبل از وقت بوڑھا ہو جانے کی پہلی دردناک وجہ وہ شدید صدمہ تھا جو چند سال قبل اسے اپنی محبوب بیوی نزہت کی ناگہانی موت سے پہنچا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نزہت اس کے لیے نہ صرف ایک مرکز محبت تھی بلکہ اس کی کامیاب کاروباری زندگی کی ایک زریں بنیاد بھی تھی۔ نزہت خود کروڑ پتی والدین کی بیٹی تھی اور شادی کے وقت وہ اپنے ساتھ پورے دس لاکھ روپے کیش لائی تھی جو اس کی اپنی ذاتی ملکیت تھے۔ ہلال بینک میں عمران پیشتر ہی سے تقریباً چار لاکھ روپے کا حصے دار تھا لیکن شادی کے بعد جب اس کی بیوی نزہت نے اپنی ذاتی رقم سے دس لاکھ کے مزید حصے خرید لیے تو ہلال بینک کا پورا کاروبار عمران کے ہاتھوں میں سونپ دیا گیا اور قلیل عرصے میں ہی یہ بینک ایک انتہائی کامیاب اور قابل اعتماد کاروباری مرکز بن گیا۔ اس طرح سر عمران کی کامران زندگی میں ہر پہلو سے نزہت کارفرما رہی تھی۔ جب اچانک ایک دن طاعون کی وبا نے نزہت کو قبر میں سلا دیا تو عمران کی دنیا اندھیر ہو گئی اور اچانک ایک روز یہ خبر ملک کے اخبارات میں شائع ہوئی کہ اپنی محبوب بیوی کی ناگہانی موت نے نیم مردہ سر عمران کو کچھ دنوں کے لیے غیر ممالک کی سیاحت پر مجبور کر دیا ہے۔

سکون کی تلاش میں عمران دنیا کے کون کون سے گوشے میں خاک چھانتا پھرا، یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم تھی۔ اس کا نوجوان اور ہونہار بیٹا ارمان اس مدت میں بینک کو نہایت کامیابی سے چلاتا رہا۔ اسی سیاحت کے دوران جب کہ عمران افریقہ میں تھا۔ اس پر اور اس کے رفیق کار قیصر پر ایک پراسرار بیماری کا شدید حملہ ہوا۔ یہی بیماری عمران کی صحت و جوانی کو ہمیشہ کے لیے قبل از وقت رخصت کر گئی۔

قیصر بینک کا ایک معمولی حصے دار اور عمران کا دوست اور رفیق کار تھا۔ عمران کے اس صدمے میں اس نے عمران سے الگ رہنا گوارا نہ کیا تھا۔ چنانچہ اس پوری سیاحت میں ایک ہمدرد اور سچے دوست کی حیثیت سے وہ عمران کے ساتھ رہا تھا۔ لیکن اس مہلک بیماری نے قیصر کو ختم کر دیا۔ عمران سخت جان تھا کہ زندہ بچ گیا مگر اس طرح کہ اس کی صحت و توانائی ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے کی کھال خشک ہو کر اس پر جھریاں پڑ گئی تھیں، شانے قدرے جھک گئے تھے اور رنگ و روپ بگڑ گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی آواز بھی گلوگرفتہ بن کر رہ گئی تھی اور وہ سر سے پیر تک اپنی سابقہ زندگی کا سیاہ دھواں بن کر رہ گیا تھا۔ اس نے یورپ اور امریکہ کے دورے کر کے ہر وہ ممکن تدابیر اختیار کیں جو طبی دنیا میں ممکن ہو سکتی تھیں اور جنہیں دولت خرید سکتی تھی لیکن ایک سال تک اپنی کھوئی ہوئی صحت و توانائی کی ناکام تلاش کے بعد آخرکار وہ گھر واپس آ گیا۔

واپسی پر اس کی جو حالت لوگوں نے دیکھی وہ سخت سے سخت دل کو موم کرنے کے لیے کافی تھی۔ خود اس کا بیٹا ارمان بھی ایک منٹ کے بعد ہی پہچان سکا کہ ہوائی جہاز سے اتر کر یہ مغموم انداز میں ہنسنے والا شخص جو اس کے سامنے کھڑا ہے، دراصل اس کا باپ ہی ہے اور جب وہ بے اختیار لپک کر اس کے سینے سے لپٹ کر رونے لگا تو عمران کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ان آنسوؤں میں اپنی محبوب اور مرحوم بیوی نزہت کی آخری مسکراہٹ!

باپ بیٹے کی اس ملاقات کی تصویریں، شہاب نے اخبارات میں دیکھی تھیں۔ آج اپنے سامنے مسہری پر لیٹے ہوئے اس کروڑ پتی کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ کر بے اختیار شہاب کو وہ تصویری منظر یاد آ گیا۔

"مسٹر شہاب۔" عمران بولا۔ "آپ اسے مذاق تصور نہ کیجیے اور نہ یہ سمجھیے کہ میں اپنے دماغ کی کسی خرابی کی بنا پر آپ سے ایسی استدعا کر رہا ہوں۔ میں واقعی چاہتا ہوں کہ آپ میرے قاتل کا سراغ لگائیں۔ مجھے کوئی نامعلوم شخص آہستہ آہستہ قتل کر رہا ہے۔"

عمران چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا پھر بولا۔ "مجھے کوئی ہلاک کر رہا ہے، مسٹر شہاب آہستہ آہستہ اور مجھے احساس ہے کہ میرے اس نامعلوم قاتل کو تلاش کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ پولیس جو کچھ بھی کر سکتی ہے وہ میں خود ہی کر چکا ہوں۔ اگر یہ سب کچھ محض میرا وہم نہیں تو میرا نامعلوم دشمن

یقیناً کوئی حیرت ناک حد تک ہوشیار اور چالاک انسان ہے اور اسے تلاش کرنے میں آپ جیسا مشہور عالم اور بے مثال سراغ رساں ہی کامیاب ہوسکتا ہے۔"

"شکریہ۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کو غالباً یہ شبہ ہے کہ کوئی شخص آپ کو آہستہ آہستہ زہر دے رہا ہے۔ اس شبہے کی یقیناً آپ کے پاس معقول وجوہات موجود ہوں گی؟"

"شبہ نہیں مسٹر شہاب۔" عمران نے کہا۔ "میرے خون کی جانچ کے بعد ڈاکٹروں نے جو رپورٹ دی ہے اس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ میرے جسمانی نظام میں نکوٹین زہر آہستہ آہستہ داخل ہو رہا ہے اور اس کی مقدار ہر ہفتے بڑھتی ہی جاتی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمباکو پینے یا کھانے کا عادی نہیں ہوں پھر بھی اگر کبھی کبھار میں سگریٹ پی لیتا تھا تو اب کئی ہفتے سے میں نے بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔ ڈاکٹروں کا فیصلہ ہے کہ اگر میرے جسم میں تمباکو کے زہر کی مقدار ایک خاص حد سے زیادہ ہوگئی تو مہلک ہوسکتی ہے۔ اس لیے میں نے سگریٹ وغیرہ بالکل چھوڑ دی ہے۔ دونوں وقت میری غذا کی پہلے طبی جانچ ہوتی ہے تب میں کھا پاتا ہوں لیکن آج تک میرے کھانے پینے کی کسی شے میں بھی زہر کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس سلسلے میں میں نے خصوصاً میرے لڑکے ارمان نے جو سخت انتظامات کیے ہیں ان کے بارے میں آپ چاہیں تو ارمان سے دریافت کر سکتے ہیں۔ کسی طرح کی بھی کوئی ایسی گنجائش نہیں چھوڑی گئی کہ زہر میرے جسم میں پہنچایا جا سکے لیکن پھر بھی جسم میں اس کی مقدار بڑھتی ہی جاتی ہے اور اب نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ شاید اسی کے اثر سے میری بصارت جواب دیتی جارہی ہے۔ آپ ہی سوچیے ایسی صورت میں پولیس بے چاری کیا کر سکتی ہے؟"

"معاملہ یقیناً حیرت ناک ہے۔" شہاب نے کہا۔ "لیکن میرے خیال میں آپ کو گھبرانے کی خاص ضرورت نہیں' سر عمران۔"

"جی نہیں۔" عمران بولا۔ "میں گھبرا نہیں رہا ہوں۔ درحقیقت میری شریک حیات کی المناک موت کے بعد میری زندگی خود اپنی نظر میں ایک بیکار سی چیز ہو کر رہ گئی ہے اور میں اپنی زندگی کے دامن سے زبردستی لپٹا نہیں رہنا چاہتا۔ سیاحت کے دوران نہ جانے کتنی مرتبہ میں نے خودکشی کا ارادہ کیا لیکن خدا نے مجھے اس حرام موت سے محفوظ رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا بیٹا ارمان مجھے زبردستی زندہ رکھنا چاہتا ہے اور میری حفاظت کے لیے دن رات پریشان ہے۔ پھر واقعہ یہ ہے کہ میں بھی اب اسی کی خاطر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ بالکل فطری بات ہے' مسٹر شہاب کہ میرے دل میں کچھ حسرتیں......"

عمران کی آواز بھرا گئی اور جذبات الم کی شدت سے خاموش ہو گیا۔

"بالکل صحیح ہے۔" شہاب نے تسکین دیتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے احساسات اور مسٹر ارمان کے جذبات کو خوب سمجھ رہا ہوں۔ تو کیا آپ اس معاملے کو پولیس تک نہ لے جانے کا قطعی فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔" سر عمران نے مسہری کے تکیے کے سہارے بیٹھ کر کہا۔ "معاملے کی حیرت ناک پیچیدگی کے علاوہ میرے زیر نظر ایک چیز یہ بھی رہی ہے کہ بینک کی حالت پر ممکن ہے میری موجودہ حالت کے افشا ہو جانے سے کوئی ناخوشگوار اثر پڑے۔ زہر کا یہ راز ابھی تک انہی لوگوں کے پاس محفوظ ہے جو قابل اعتبار ہیں اور اسے اپنی ہی ذات تک محدود رکھ سکتے ہیں لیکن پولیس کو طلب کرنے سے بات پوشیدہ رہنی ناممکن ہے۔ انسپکٹر پریم میرے مخلص و ہمدرد ہیں۔ میں نے ان سے نجی طور پر گفتگو کی تو انہوں نے بھی یہی خیال ظاہر کیا کہ پولیس کی بجائے میں آپ ہی کو زحمت دوں۔ میرے بیٹے ارمان کا بھی یہی خیال تھا اور اسی کے اصرار پر میں نے آج آپ کو زحمت دی ہے۔"

"مجھے اس خدمت سے کوئی عذر نہیں سر عمران۔" شہاب نے کہا۔ "لیکن اگر آپ میری صاف گوئی معاف کریں تو میں یہ کہوں گا کہ......"

"آپ اس کی پروا نہ کریں۔" عمران بول اٹھا۔ "مجھے آپ کی شہرت وعظمت اور غیر معمولی مصروفیت کا پورا احساس ہے' اخراجات کا آپ کوئی خیال نہ فرمائیں فی الحال یہ دس ہزار کا چیک آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور باقی چالیس ہزار......"

"معاف فرمائیے' میرا یہ مقصد نہ تھا۔" شہاب نے مسکرا کر کہا۔ "غالباً آپ کو بھی یہ بات معلوم ہوگی کہ میں نے آج تک محض مالی مفاد کے مدنظر کسی معاملے کو ہاتھ میں نہیں لیا۔ جب تک کوئی کیس میری دلچسپی کو بیدار نہ کر سکے میں اسے ہاتھ میں نہیں لیتا میرا مقصد درحقیقت یہ تھا کہ آپ جس خطرے سے دوچار ہیں وہ بظاہر کم از کم فی الحال بہت پراسرار معلوم ہوتا ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے کام میں شاید کامیاب نہ ہو سکوں گا اگر مجھے اپنے فعل وعمل کی پوری آزادی نہ دی گئی۔"

"آپ کو مکمل اختیار و آزادی ہے' مسٹر شہاب۔" عمران بولا۔ "آپ کے احکامات و ہدایات کی پوری پابندی کی جائے گی۔"

"شکریہ۔" شہاب نے کہا۔ "لیکن اگر میری تحقیق و تفتیش

کا نتیجہ کچھ ایسا برآمد ہوا جو کسی وجہ سے پسندیدہ یا خوشگوار ثابت نہ ہو سکا تو......"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" عمران نے تیزی سے پوچھا۔

"مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں سر عمران۔" شہاب نے جواب دیا۔ "معذرت کے بعد میں آپ سے وہ بات صاف کہنا چاہتا ہوں جو کہ آپ نے مجھ سے صاف صاف کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس معاملے کو پولیس کے حوالے نہ کرنے میں ممکن ہے اس کی پیچیدگی اور بینک کی کاروباری مصلحت بھی آپ کے پیش نظر رہی ہو لیکن سب سے بڑی وجہ کچھ اور ہے۔"

"یعنی......؟" عمران نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"یعنی یہ کہ اپنی حفاظت کے سخت ترین انتظامات کے بعد ناکام ہو کر آپ کے دل میں یہ شبہ ہو گیا ہے کہ آپ کے جسم میں زہر پہنچانے والا پراسرار شخص ان ہی لوگوں میں سے کوئی ہے جو آپ کے بہت قریب رہتے ہیں۔ آپ اس مجرم کو معلوم تو کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ نہیں چاہتے کہ معلوم ہو جانے کے بعد اس خوفناک مجرم کو قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ اسی لیے آپ پولیس کی امداد حاصل کرنے سے گریزاں ہیں اور اسی لیے آپ اپنی دولت کا ذائقہ مجھے عطا فرما کر مجھے خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں تو آپ یہ معاملہ کسی اور کے سپرد فرمائیں۔ میں کسی قیمت پر بھی قانون، وطن اور ضمیر سے غداری پر تیار نہیں ہو سکتا۔"

کمرے میں چند منٹ تک خاموشی چھائی رہی۔ عمران سر جھکائے کسی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ آخر کار اس نے سر اٹھا کر شہاب کی طرف دیکھا لیکن اس کی نگاہوں میں بدمزگی یا برہمی کی بجائے حیرت اور فکر کی چمک تھی۔

"مسٹر شہاب۔" وہ بولا۔ "میں نے اب تک آپ کی سراغ رسانی کے کارنامے صرف اخبارات وغیرہ میں پڑھے تھے لیکن آج میں نے خود دیکھ لیا کہ آپ انسان نہیں بلکہ سر سے پاؤں تک دماغ ہیں۔ ایک انتہائی غیر معمولی دماغ۔ مجھے اعتراف ہے کہ آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔"

"شکریہ۔" شہاب بولا۔ "تو کیا آپ کو واقعی اپنے قریبی اشخاص میں سے کسی پر شبہ ہے؟"

"نہیں۔" عمران نے جواب دیا۔ "کسی پر بھی شبہ کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے۔ مجھ سے سب سے قریبی انسان خود میرا بیٹا ارمان ہے لیکن میرے لیے ایک ساعت کو بھی یہ سوچنا ناممکن ہے کہ اس مجرمانہ حرکت سے اس کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے وہ میرا پرستار ہے۔ میرا عاشق ہے۔ پھر میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے اور میں خود چراغ سحری ہوں۔ اس کے بعد قریب ترین اشخاص میرے ذاتی ملازم ہیں۔ اول تو وہ سب قدیم اور قابل اعتبار ہیں۔ دوسرے انہیں میری موت سے کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچ سکتا۔ میرا کوئی رشتے کا عزیز بھی ایسا موجود نہیں ہے جس کے اشارے پر ملازمین میرے ساتھ غداری کریں اور اگر کوئی ایسا رشتے دار موجود بھی ہوتا تو میرے بیٹے ارمان کی موجودگی میں میری موت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ سب کے بعد مجھ سے متعلق بینک کے وہ ملازمین ہیں جن سے محض کاروباری رابطہ ہے اور وہ بھی میری موت سے کسی مفاد کو وابستہ نہیں کر سکتے۔"

"لیکن پھر بھی آپ کو شبہ ہے کہ یہ حرکت انہی لوگوں میں سے کسی کی ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"مجبوراً یہی سوچنا پڑتا ہے۔" عمران نے جواب دیا۔ "یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ زہر کی مقدار ہوا کے ذریعے میرے جسم میں داخل نہیں ہو سکتی۔ جسم میں زہر پہنچنے کا اگر کوئی ذریعہ ممکن ہے تو ان متفرق متعدد چیزوں ہی میں سے کچھ چیزیں اس کا ذریعہ ہو سکتی ہیں جو میں روز مرہ استعمال کرتا ہوں لیکن حفاظتی انتظامات اس قدر سخت ہیں کہ غیر متعلق کسی چیز کی رسائی ان چیزوں تک نہیں ہو سکتی۔ اس لیے منطقی استدلال کا تقاضا یہی ہے کہ اگر زہر دینے کا ذریعہ میرے استعمال کی چیزوں میں سے کوئی چیز ہے تو زہر دینے والا شخص میرے قریبی لوگوں ہی میں سے کوئی ہونا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہی حیرت کی بات ہے کہ میرے استعمال کی کسی چیز میں آج تک زہر کا کوئی شبہ بھی نہیں پایا گیا۔" یہ کہہ کر عمران خاموش ہو گیا۔

شہاب استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔

"ان تمام حالات کے مدنظر میں نے یہی مصلحت سمجھی کہ جب تک مجھے خود معلوم نہ ہو جائے کہ مجرم کون ہے اس وقت تک میں کوئی قانونی کارروائی نہ کروں لیکن آپ کا یہ خیال صحیح نہیں مسٹر شہاب کہ میں اس نامعلوم مجرم کو قانون کی گرفت سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا آپ ایک منٹ کے لیے بھی یہ اندیشہ نہ فرمائیں کہ میں اپنی دولت کے ذریعے خدانخواستہ آپ کی دیانت خریدنے کی کوشش کر رہا ہوں آپ اپنے کام کے سلسلے میں پوری طرح آزاد رہیں گے۔ میرے خیال میں اب آپ کو یہ چیک قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہو گا۔"

"آپ کا یہی اصرار ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔" شہاب

نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن اگر آپ تھک نہ گئے ہوں تو میں صرف دو تین سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور۔'' عمران نے کہا۔

''مجھے آپ کی خاندانی معلومات کے سلسلے میں کچھ......''

اچانک شہاب رک گیا۔ کمرے کا دروازہ کھول کر پہلے کسی عورت نے جھانکا اور پھر اندر آ گئی۔ یہ وسطی عمر کی ایک قدرے قبول صورت عورت تھی اور اس کا چہرہ نمایاں حد تک بچوں کی طرح معصوم نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے عجیب اضطراری انداز اور بے ربط حرکات و سکنات سے شہاب کی تیز نگاہوں نے ایک ہی کوشش میں یہ معلوم کر لیا کہ یہ عورت اپنا دماغی توازن کھو چکی ہے۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے قیصر صاحب؟'' عورت نے خشک اور قطعی غیر جذباتی انداز میں عمران سے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں راشدہ۔'' عمران نے مسکرا کر کہا۔ ''تم جاؤ اپنے ناول پڑھو۔ بڑے ہی دلچسپ ناول منگوائے ہیں میں نے تمہارے لیے کیونکہ میں تم سے بہت ہی خوش ہوں جاؤ اب جلدی سے آج رات کی کہانی پڑھ ڈالو شاباش۔''

راشدہ نے ایک کھوئی ہوئی نظر شہاب پر ڈالی اور کسی سائے کی طرح کمرے سے نکل گئی۔

عمران نے ایک سرد آہ بھری اور بولا۔ ''بے چاری راشدہ! کس قدر المناک ہے اس کی زندگی۔''

''تو کیا قیصر مرحوم کی بیوہ یہی راشدہ ہے؟'' شہاب نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' عمران نے حسرت ناک لہجے میں جواب دیا۔ ''افریقہ میں جب میں اور قیصر اس پر اسرار منحوس بیماری میں مبتلا ہوئے اور قیصر کا آخری وقت آ پہنچا تو اس نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ میں اس کی بیوی راشدہ سے شادی کر لوں۔ قیصر جیسے جانباز اور وفا شعار دوست کی اس آخری تمنا کو رد کر دینا میرے امکان سے باہر تھا۔ چنانچہ یہاں واپسی پر میں نے راشدہ سے شادی کر لی لیکن یہ بات مجھے شادی کے بعد ہی معلوم ہوئی کہ راشدہ کا دماغ قیصر کی ناگہانی موت سے متاثر ہو کر چند خاص امور کے سلسلے میں صحیح کام نہیں کرتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مذہبی حیثیت سے یہ شادی صحیح ہے یا نہیں لیکن مجھے اس کی کوئی فکر بھی نہیں کیونکہ نکاح کے بعد ہم دونوں میں زن و شوہر کا تعلق ہی نہ رہا۔ وہ بالکل ایک بچے کی طرح معصوم ہے۔ اس کا دماغ ماضی کی ہر شے کو فراموش کر چکا ہے لیکن وہ اپنے شوہر کا نام نہیں بھولی اور ہر شخص کو قیصر کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ اگر وہ آپ سے باتیں کرتی تو آپ کو بھی قیصر ہی کہتی۔

اس گھر کا ہر ملازم تک اس کے لیے قیصر ہے۔ اپنی ضرورت کا ہر کام ہوش مندی کے ساتھ کرتی ہے اور کوئی حرکت پاگلوں جیسی نہیں کرتی لیکن اس کا دماغ ایک مشین بن کر رہ گیا ہے۔ اس مشین کو جس طرح چلا دیا جاتا ہے چلتی رہتی ہے۔ میرے کہنے پر وہ دن میں ناول پڑھتی ہے اور رات کو اس کی کہانی مجھے سناتی ہے۔ بالکل ایک گراموفون کی طرح یا جیسے کوئی کتاب خود ہی بول رہی ہو۔''

''واقعی بڑی قابل رحم حالت ہے۔'' شہاب نے کہا۔ ''لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ......''

''میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں' مسٹر شہاب۔'' عمران نے کہا۔ ''آپ کو اندیشہ ہے کہ راشدہ کو آلۂ کار بنانا بہت آسان ہے اور ممکن ہے کہ مجھے زہر دینے والا نامعلوم شخص راشدہ کے ذریعے یہ کام لے رہا ہو لیکن آپ اطمینان رکھیں یہ ناممکن ہے۔ راشدہ پر مستقل طور پر دو ملازم تعینات رہتے ہیں جو چوبیس گھنٹے اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتے ہیں۔ اس کے دماغ میں اتنی چالاکی موجود نہیں کہ ان لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر کچھ کر سکے۔ اس کے علاوہ راشدہ کو آلۂ کار بنانا خود مجرم کے لیے بھی بے حد خطرناک ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ وہ مجرم کے راز کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتی۔'' شہاب بولا۔

''جی ہاں۔'' عمران نے کہا۔ ''کوئی معمولی سی بات بھی ایسی نہیں جو پوچھنے پر وہ مجھے نہ بتا دیتی ہو لیکن اس نے آج تک کوئی بات ایسی نہیں بتائی جس سے اس طرح کا کوئی شبہ ہو سکے۔''

''تو آپ بیگم راشدہ کی طرف سے بالکل مطمئن ہیں؟''

''قطعی۔''

''کیا ان کے ذہن میں جھوٹ بولنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے؟'' شہاب نے پوچھا۔

''ایک مشین جھوٹ نہیں بول سکتی' مسٹر شہاب۔'' عمران نے ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ کہا اور مسہری سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''بہر حال یہ میرے ذاتی خیالات ہیں۔ آپ گھر کے تمام افراد کے ساتھ سوالات و تحقیق کے بعد جو نتیجہ بھی اخذ کریں اس کے لیے آپ آزاد ہیں لیکن اس سے پیشتر کہ آپ اپنی تفتیش شروع کریں ایک ضروری چیز بطور امانت آپ کے پاس رکھوانا چاہتا ہوں۔ میں ابھی اسے لے کر حاضر ہوتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عمران قدرے زحمت کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک پہلو کے دروازے کی سمت بڑھا۔ اپنی نظر کی

کمزوری کے باعث دو ایک جگہ کرسی سے ٹکراتا ٹکراتا بچا اور باہر چلا گیا۔

شہاب شاید اسی موقعے کا منتظر تھا۔ وہ اٹھا اور تیزی سے پورے کمرے کا جائزہ لے ڈالا لیکن وہاں اسے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو اس بوڑھے کروڑ پتی کو زہر دینے والے پراسرار مجرم کی طرف رہنمائی کر سکتی۔ شہاب نے خاص طور پر عمران کے بستر اور تکیے وغیرہ کو اس طرح چھو کر دیکھا جیسے ان میں چھپی ہوئی کسی سوئی کی تلاش میں ہو اچانک بستر کی چادر کے نیچے رکھا ہوا کاغذ کا ایک پرزہ اسے نظر آ گیا۔ شہاب نے جلدی سے اسے کھول کر پڑھا۔

''ابا جان! مجھے انتہائی ندامت ہے۔ رقم کی شدید ضرورت کے تحت میں نے اتنا بھی عرض کیا ورنہ میری اتنی ہمت نہیں ہو سکتی تھی۔ امی مرحومہ کے نام پر میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔''

ساتھ والے کمرے میں عمران کے قدموں کی آہٹ پا کر شہاب نے پرچا اسی طرح چادر کے نیچے سرکا دیا اور کرسی پر جا بیٹھا۔ ظاہر تھا کہ یہ عمران کے بیٹے ارمان کی تحریر تھی لیکن شہاب کے لیے یہ دریافت دلچسپی سے خالی نہ تھی کہ انتہائی محبت کے باوجود ان باپ بیٹے میں کسی قدر اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔

عمران نے ایک بند لفافہ لا کر شہاب کو دیا اور بولا۔ ''پہلے میرا ارادہ اس لفافے کو کسی دوسری جگہ محفوظ کرنے کا تھا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے بہتر آدمی اس امانت کی حفاظت کے لیے نہ ملے گا۔ میری نظر جواب دے رہی ہے۔ متعدد ڈاکٹروں کے علاج کے باوجود بھی اس میں افاقے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ مجھے اپنی زندگی کا اعتبار نہیں مسٹر شہاب! اس لفافے میں میرا وصیت نامہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس وصیت نامے کو صرف اس وقت پڑھیں جب میں اس دنیا میں موجود نہ ہوں۔''

''آپ اس قدر مایوس نہ ہوں مجھے امید ہے کہ......''

''میں مایوسی کا قائل نہیں۔'' عمران نے پھیکی سی ہنسی سے کہا۔ ''لیکن انسان بہر حال فانی ہے مسٹر شہاب۔''

شہاب چند منٹ کے بعد عمران کے کمرے سے نکلا اور وسیع کوٹھی میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔ عمران منزل میں صرف چند ہی ملازم تھے۔ کافی دیر تک ان سے گپ شپ کرنے کے بعد شہاب کو یقین ہو گیا کہ سب ملازم قابل اعتماد ہیں۔ اس پراسرار معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا ہوا وہ اپنی کار تک آیا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک رک گیا۔ اس کے بالکل سامنے سیٹ پر ایک سفید کاغذ پڑا ہوا تھا جس کے اوپر ہی جلی حرفوں میں ''مسٹر شہاب کے نام'' لکھا ہوا تھا۔ یہ تحریر انگریزی میں ٹائپ کی گئی تھی۔ شہاب کاغذ کو اٹھا کر پڑھنے لگا۔

''سر عمران کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے جو شخص ان کو زہر دے رہا ہے وہ اس قدر چالاک مجرم ہے کہ آپ اس کی گرد بھی نہ پا سکیں گے۔ میں اگر آپ کو اس کا نام بھی بتا دوں تو آپ اس کے خلاف کوئی حقیر سا ثبوت بھی مہیا نہ کر سکیں گے۔ اس لیے وقت سے پیشتر میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ البتہ اتنا مشورہ ضرور دوں گا کہ اگر آپ نے مجرم کے خلاف ارادہ جنگ کر لیا ہے تو اپنی حفاظت کا ہر ممکن خیال رکھیے گا۔ سر عمران کی حفاظت کے لیے میں کافی ہوں۔ آپ کا مخلص۔ حکم کا بادشاہ۔''

☆☆☆

انسپکٹر پریم نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''آپ نے جو کچھ بیان فرمایا بالکل یہی کہانی ایک بوڑھے کروڑ پتی نے بھی مجھے سنائی تھی۔''

''اور آپ نے اسے قہقہے میں اڑا دیا؟'' شہاب بولا۔

''بالکل۔''

''سبب؟'' نجمی نے پوچھا۔

''سبب یہ کہ یہ سب کچھ نتیجہ ہے خود عمران کے اپنے خیالات کا۔'' انسپکٹر پریم نے جواب دیا۔

''آپ کا مطلب یہ ہے کہ نفسیات کی زبان میں یہ سب کچھ ایک آٹو سجیشن ہے۔'' شہاب نے کہا۔ ''یعنی عمران نے خود کو یقین دلا لیا ہے کہ اس کو زہر دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا زہر کے اثرات اس کو محسوس ہو رہے ہیں۔''

''جی ہاں۔'' پریم بولا۔

''لیکن ڈاکٹروں کی رپورٹیں؟'' شہاب کی سیکریٹری فیروزہ نے کہا۔ ''جیسا کہ شہاب صاحب نے خود دیکھا ہے ان رپورٹوں میں واضح طور پر خون کے اندر زہر کی موجودگی بتائی گئی ہے۔''

''خیال کی قوت حیرت ناک ہے مس فیروزہ۔'' انسپکٹر پریم نے کہا۔ ''اگر میں پورے وثوق سے یہ یقین قائم کر لوں کہ مجھے بخار ہے تو یقیناً تھرمامیٹر بھی میری تائید کرے گا کیونکہ مجھے واقعی بخار ہو جائے گا۔''

''آپ کا یہ فلسفہ ذرا بغیر دُم کا معلوم ہوتا ہے حضور۔'' نجمی بولا۔ ''نہ جانے آپ کب سے اچانک ماہر نفسیات بن گئے۔''

''ٹھیک اس وقت سے جب آپ نے ڈنلپ کے تخلص سے شاعری شروع کی۔'' پریم نے ہنس کر کہا۔

''تب تو آپ کو اب سے ٹھیک چوبیس گھنٹے پیشتر مر جانا چاہیے تھا۔'' نجمی نے کہا۔
''کیوں؟'' پریم نے پوچھا۔
''اس لیے کہ اس جناب کا موروثی تخلص ڈنلپ کل ٹھیک نو بج کر پونے تین منٹ پر اللہ کو پیارا ہو چکا۔'' نجمی نے کہا۔ ''اور حضور کی نفسیات بیگم صاحبہ ڈنلپ جیسے فولادی تخلص سے زیادہ سخت جان نہیں ہو سکتی۔''
''یہ مذاق کا وقت نہیں ہے نجمی۔'' شہاب نے برہمی سے کہا۔
''آپ نے جو نفسیاتی پہلو پیش کیا ہے مسٹر پریم وہ نظریاتی حد تک ایک حقیقت ہے اور عمران کی حالت کے مدنظر میرے ذہن میں بھی اولاً یہی خیال پیدا ہوا تھا لیکن اب اس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ زہر ایک مادی چیز ہے اور خیال کی طاقت مریض کو زہر کے اثرات محسوس کرنے پر مجبور تو کر سکتی ہے لیکن مریض کے علاوہ دوسرے لوگوں مثلاً ڈاکٹروں کے لیے زہر کے ذرات پیدا نہیں کر سکتی اگر عمران کو اپنے اندر زہر کی موجودگی کا اثر محسوس ہوتا لیکن اس کے خون کی جانچ کرنے پر ڈاکٹر کو اس کے خون میں زہر کے ذرات دستیاب نہ ہوتے تو اس وقت آپ کا یہ نظریہ قابل قبول ہو سکتا تھا کہ یہ سب کچھ خود عمران کے خیال کی قوت یا وہم کا نتیجہ ہے۔'' شہاب نے سمجھایا۔
''حق مغفرت کرے بڑی آزاد عورت تھی۔'' نجمی بول اٹھا۔
''کون عورت؟'' شہاب نے چونک کر پوچھا۔
''انسپکٹر صاحب کی بی نفسیات بیگم مرحومہ۔'' نجمی نے کہا۔ ''آپ نے اس غریب کا گلا ہی گھونٹ دیا۔''
''استغفر اللہ۔''
''جی نہیں۔'' انا اللہ فرمائیے۔'' نجمی بولا۔
''میں کہتا ہوں تمہاری چونچ بند بھی ہوگی یا نہیں۔''
''ہوگی کیوں نہیں صاحب یہ لیجیے ہوگئی۔'' نجمی بولا۔
''شکریہ۔'' شہاب نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں تو میں عرض کر رہا تھا انسپکٹر صاحب کہ جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے یہ معاملہ نفسیاتی وہم سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ عمران کا نفسیاتی وہم ڈاکٹروں کو وہم میں مبتلا نہیں کر سکتا اور نہ زہر جیسی ٹھوس مادی چیز کا وجود پیدا کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ انگریزی ٹائپ کی تحریر بھی دیکھیے۔ کسی پراسرار شخص نے جو خود کو عمران کا محافظ قرار دیتا ہے اور خود کو حکم کا بادشاہ کہتا ہے۔ یہ تحریر میری کار کی سیٹ پر رکھ دی تھی۔''
''پریم، نجمی اور فیروزہ نے حیرت و دلچسپی سے اس تحریر کو پڑھا۔ اس میں صاف طور پر عمران کے زہر کا تذکرہ موجود تھا۔
''اس پر انگلیوں کا کوئی نشان آپ نے دیکھا؟'' انسپکٹر پریم نے پوچھا۔
''میرے خیال میں یہ کوشش بے کار تھی۔'' شہاب نے جواب دیا۔ ''جو شخص ایک چالاک مجرم کے خلاف عمران کی موافقت میں جنگ کر رہا ہو اور خود کو ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو وہ اس قدر احمق نہیں ہو سکتا کہ انگلیوں کے نشان کاغذ پر چھوڑ جائے۔ بہر حال اس تحریر کی روشنی میں آپ کا زہر کے متعلق کیا خیال ہے؟''
''اگر یہ سب کچھ عمران کا وہم نہیں تو پھر اس کا ہونے والا قاتل صرف ایک ہی شخص ہو سکتا ہے۔'' پریم نے کہا۔
''یعنی اس کا بیٹا ارمان؟'' شہاب نے پوچھا۔
''جی ہاں۔'' پریم نے جواب دیا۔
''مجھ حقیر کا پہلے سے ہی یہ خیال تھا۔'' نجمی بولا۔ ''لیکن مصیبت یہ ہے کہ میری سنتے ہی کب ہیں آپ حضرات۔''
''ایسا سمجھنے میں چند دشواریاں حائل ہیں مسٹر پریم۔'' شہاب نے کہا۔ ''عمران نے اس سلسلے میں جو دلائل دیئے ہیں وہ کافی وزن رکھتے ہیں لیکن آپ کے پاس ایسا سمجھنے کے کیا اسباب ہیں؟''
''بات یہ ہے مسٹر شہاب کہ میں نجی طور پر عمران کے حالات سے واقف ہوں۔'' انسپکٹر پریم نے جواب دیا۔ ''عمران کی پہلی بیوی نزہت نے جب اپنی ذاتی رقم سے ہلال بینک میں دس لاکھ روپے کے حصے خریدے تو اس کے ساتھ ہی تمام کاغذات میں اندراج کرا دیا تھا کہ اس کی موت کے بعد یہ تمام حصے اس کے بیٹے ارمان کی ملکیت ہوں گے لیکن اس ملکیت پر پورا کنٹرول عمران کا ہوگا اور یہ تمام دولت صرف دو صورتوں میں ارمان کے تصرف میں آسکے گی یا تو یہ کہ عمران ہی زندہ نہ رہے یا پھر یہ کہ ارمان اپنے باپ عمران کی مرضی و پسند کے مطابق شادی کرے۔''
''بڑی دلچسپ چیز ہے یہ۔'' شہاب نے خیال و فکر میں کھوئے ہوئے کہا۔
''جی ہاں۔'' پریم نے قدرے فخر سے کہا۔ ''ان امور کی روشنی میں یہ بالکل ممکن ہے کہ ارمان کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہو جس کے متعلق اسے یقین ہو کہ عمران اسے پسند نہ کرے گا۔ اس لیے اپنی حسب مرضی شادی کرنے اور وصیت کے مطابق دس لاکھ کی رقم حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے باپ کو راہ سے ہٹانا چاہتا ہو یا پھر ممکن ہے کہ اپنے اخراجات کے لیے اسے وہ چھوٹی رقم کافی نہ ہوتی ہو جو وصیت کے مطابق

عمران اسے دیتا ہے۔ لہٰذا اس نے دولت کے حصول کے لیے باپ کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا ہو۔ اس طرح اس نے ایک طرف تو عمران کی حفاظت کے سخت انتظامات کا ڈھونگ رچایا اور دوسری طرف خود ہی عمران کی غذا میں زہر ملا دیتا ہو کیونکہ غذا کی طبی جانچ کے بعد بھی ارمان کو ایسے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں کہ ایسی حرکت کر سکے۔''

''ایمان کی بات یہ ہے کہ اس وقت پریم صاحب نے پورے باون تولے پاؤ رتی والی بات کہی ہے۔'' مجمی بولا۔

''لیکن یہ حکم کا بادشاہ کون ہو سکتا ہے؟'' فیروزہ بولی۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شہاب آنکھیں بند کیے آرام کرسی پر اس طرح لیٹا تھا جیسے سو گیا ہو۔

☆☆

شہر کے سب سے مشہور اور خوب صورت ہوٹل میں ہنی مون پیلس کے خوب صورت ہال میں ادھر ادھر متفرق میزوں پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس ہوٹل کی خصوصیت یہ رہی تھی کہ یہاں یا تو انتہائی دولت مند لوگ آتے تھے یا انتہائی بدمعاش مجرم۔ کیونکہ جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں اس مقام سے بہتر اور کوئی شکار گاہ نہ تھی۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے۔ قیمتی سوٹوں میں ملبوس مرد اور بیش بہا لباس و زیورات سے مزین عورتیں ہر طرف باتیں کرتی اور قہقہے لگاتی نظر آ رہی تھیں۔ مختلف مشروبات کا دور جاری تھا اور فضا میں ہلکی ہلکی سی موسیقی پھیلی ہوئی تھی۔

ارمان نے اپنی کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی پھر ہوٹل میں چاروں طرف اس طرح دیکھا جیسے اسے کسی کی تلاش یا انتظار ہو اور اس کے بعد اپنی میز کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی حسین لڑکی پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ وہ تقریباً نصف گھنٹے سے یہاں بیٹھا چائے اور سگریٹ سے شغل کر رہا تھا لیکن یہ لڑکی کوئی دس منٹ پہلے ہی آ کر بیٹھی تھی۔ ارمان ایک انتہائی خوبرو نوجوان تھا چنانچہ حسین لڑکی کی انتہائی سنجیدگی اور بے اعتنائی بھی زیادہ دیر تک ارمان کی کشش کا مقابلہ نہ کر سکی تھی اور ارمان نے کئی بار اچانک نظریں اٹھاتے وقت یہ محسوس کر لیا تھا کہ یہ اجنبی لڑکی دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی ہے۔ چنانچہ تہذیب جدید کا سہارا لے کر دونوں کی اجنبیت درمیان سے ہٹنے لگی۔ ایک بار جب لڑکی نے ارمان کو اپنی طرف نظر بچا کر دیکھتے ہوئے پایا تو مسکرا کر بولی۔

''کسی اجنبی کو سلیقے سے دیکھنا بھی ایک فن ہے۔''

''جی۔'' ارمان نے قدرے محجوب ہو کر کہا۔ ''جی ہاں بے شک مگر..... مگر اپنی بدتمیزی کی معافی چاہنا اس سے بھی بڑا فن ہے۔''

''اور بدتمیزی کو معاف کر دینا شاید سب سے بڑا فن ہے۔'' لڑکی بولی اور دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

''بہرحال اس میں شک نہیں کہ ہم دونوں اپنے اپنے فن میں ماہر ہیں۔'' ارمان نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر متلاشی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ ''آپ شاید اس شہر میں نووارد ہیں؟'' ارمان نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' لڑکی بولی۔ ''میں پرسوں ہی دہلی سے آئی ہوں۔''

''خوب دہلی مجھے بہت پسند ہے۔''

''بمبئی میں رہنے کے باوجود بھی؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''جی ہاں کیونکہ بمبئی پھر اپنا شہر ہے اور دہلی میرے لیے نیا ہے۔''

''آپ کی شادی غالباً دہلی میں ہوئی ہے۔'' لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جی نہیں۔'' ارمان نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ''بات یہ ہے کہ.....''

''آپ کو کسی کا انتظار ہے شاید۔'' لڑکی بولی۔ ''آپ میری وجہ سے اپنا وقت ضائع نہ کریں۔''

''انتظار۔'' ارمان نے نمایاں طور پر چونک کر کہا۔ ''آپ کافی قیافہ شناس معلوم ہوتی ہیں۔''

''یہ قیافہ شناسی نہیں مسٹر ارمان۔'' لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ غالباً تاش کھیلنا جانتے ہوں گے؟''

''تاش؟''

''جی ہاں تاش میں ایک کارڈ ہوتا ہے جسے حکم کا بادشاہ کہتے ہیں۔'' لڑکی نے کہا۔

''تو کیا..... کیا آپ.....؟''

''آپ اس قدر پریشان کیوں ہو گئے؟'' لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟'' ارمان نے حیرت سے پوچھا۔

''خوب سر عمران جیسے مشہور انسان کے بیٹے ارمان کو کون نہیں جانتا۔'' لڑکی بولی۔ ''معلوم نہیں کتنی مرتبہ آپ کی تصویر اخبارات میں دیکھ چکی ہوں۔''

''لیکن یہ حکم کا بادشاہ؟'' ارمان نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''مطلب یہ ہے کہ میرے والد کے نام جو خطوط آ رہے

ہیں وہ.....''

''معلوم نہیں آپ کون سے خطوط کا تذکرہ کر رہے ہیں؟'' لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تو صرف حکم کے بادشاہ کے متعلق کہنا چاہتی تھی۔''

''فرمایئے۔'' ارمان نے قدرے تشویش سے کہا۔

''بات یہ ہے کہ میری ایک سہیلی تاش میں بہت بے ایمانی سے کام لینے کی عادی ہے۔'' لڑکی بولی۔ ''ایک روز ہم دونوں تاش کھیل رہے تھے اور میری سہیلی نے حکم کا بادشاہ اپنی آستین میں چھپالیا تھا۔ اتفاق سے میری زبان سے یہ فقرہ نکلا کہ تمہارا حکم سرآنکھوں پر، سہیلی نے چونک کر اپنی آستین کی طرف دیکھا۔ میں سمجھ گئی کہ اس نے تاش کا پتا کہاں چھپا رکھا ہے۔ یہ کوئی قیافہ شناسی نہیں، معمولی مشاہدہ تھا۔ اسی طرح آپ بار بار جب چاروں طرف دیکھتے ہیں تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آپ کو کسی کا انتظار ہے۔''

ارمان نے ایک گہری فکر آمیز نظر لڑکی پر ڈالی کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اچانک پوچھا۔ ''آپ کون ہیں؟''

''یہ سوال بہت دیر میں کیا آپ نے۔'' لڑکی نے ہنس کر کہا۔ ''اجنبی لوگوں کے درمیان تو عموماً پہلا سوال یہی ہوتا ہے۔ اب آپ نے اس قدر تاخیر سے یہ سوال کیا ہے تو یقیناً اس کے معنی کچھ اور ہوسکتے ہیں۔''

''بے شک۔'' ارمان نے سرگوشی میں کہا۔

''آپ کا مقصد کیا ہے؟'' لڑکی نے دبی آواز سے پوچھا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔''

''مجھ سے؟''

''جی ہاں۔'' ارمان اسی لہجے میں بولا۔ ''مجھے حکم کے بادشاہ کی تلاش تھی۔''

لڑکی نے قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''معاف فرمایئے۔ میں آپ کا مطلب بالکل نہیں سمجھی۔''

''تو کیا آپ مجھے بالکل ہی احمق سمجھتی ہیں؟'' ارمان مسکرا کر بولا۔

''یہ جسارت تو میں نہیں کرسکتی۔'' لڑکی نے ہنس کر جواب دیا۔ ''لیکن معاف فرمایئے یا تو میں پاگل ہوں یا شاید آپ۔''

''ہوسکتا ہے۔'' ارمان نے لڑکی کے متبسم چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''غالباً یہ میری احمقانہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ میرا خیال تھا کہ.....''

اچانک وہ خاموش ہوگیا۔ اس کی نظر ہال کے دوسرے گوشے میں کھڑے ہوئے ایک شخص پر جم کر رہ گئی تھی۔

''معاف کیجیے گا میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' ارمان نے لڑکی سے کہا اور ایک طرف چل دیا۔ لڑکی چند سیکنڈ تک بے نیازی سے بیٹھی چائے پیتی رہی لیکن اس کی دزدیدہ نظریں ارمان کا تعاقب کررہی تھیں۔

ارمان تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا زینے کے پاس پہنچا اور سیڑھیاں چڑھ کر بالائی منزل کے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک منٹ بعد ہی کمرے کا دروازہ پھر کھلا اور وہی شخص کمرے میں داخل ہوا۔ جسے دیکھ کر ارمان یہاں آیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی چڑھا دی اور بے تکلفی سے ایک آرام کرسی پر دراز ہوگیا۔ ارمان بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

''تم خود کیوں آئے ہو؟'' ارمان نے بگڑ کر پوچھا۔

''اپنے محسن سے اس طرح گفتگو نہیں کی جاتی۔'' اس شخص نے کہا۔

''بکواس بند کرو۔'' ارمان نے اس کے مقابل کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی پردہ پوشی کے لیے تمہیں محسن سمجھوں۔''

''خوب۔'' اس شخص نے کہا۔ ''تو پھر مجھے یہ ماہانہ دو ہزار کی رقم کیوں دے رہے ہو؟''

''تم میری کمزوری اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو رستم۔'' ارمان نے کہا۔ ''لیکن یہ نہ بھولو کہ تم مجھ سے کہیں زیادہ خطرے میں ہو۔ دھمکیاں دے کر روپیہ وصول کرنا خود ایک جرم ہے۔''

''ارمان صاحب مجھ احمق کو عقل مند بنانے کی زحمت نہ فرمایئے۔'' رستم نے مسکرا کر کہا۔ ''باتیں ایسی کیجیے جو میری موٹی سمجھ میں آسکیں۔''

''یعنی؟''

''یعنی یہ کہ دو ہزار میں میرا کام چلتا نظر نہیں آتا۔''

''لیکن اگر میں یہ کہوں کہ اب میں تم جیسے کمینے کو دو پیسے بھی نہیں دینا چاہتا تو؟''

''تو میں انتہائی ادب کے ساتھ وہ فوٹو اور آپ کا عہد نامہ آپ کے والد کے پاس پہنچا دوں گا اور مجھے یقین ہے کہ سر عمران جیسا پارسا اور اصول پرست انسان آپ کو ایک پائی بھی دینا گوارا نہ کرے گا۔''

''تم انتہائی ذلیل انسان ہو۔''

''آپ کی دعا سے۔'' رستم نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اور کچھ.....؟''

''لیکن اب تمہارے کمینے پن کی حد ہوچکی ہے۔''

''شکریہ..... مکرر ارشاد۔''

''اور اب تم مکمل طور پر میرے پنجے میں گرفتار ہو چکے ہو۔'' ارمان نے غصے سے کہا۔

''بس اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا؟'' رستم نے ہنس کر کہا۔

''ذلیل آدمی تجھے معلوم نہیں کہ اس وقت تیری زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اس کمرے میں پوشیدہ چار ڈکٹو فون مشینوں پر ریکارڈ ہو چکا ہے اور دو پوشیدہ کیمرے خود بخود تیری تصویریں لے رہے ہیں۔ یہ تیرے بلیک میلنگ کے وہ ثبوت ہیں جو تجھے جیل پہنچا سکتے ہیں۔''

''اوہو یہ بات ہے۔'' رستم نے طیش میں کہا۔ ''لیکن تیرے یہ پوشیدہ آلے تیری حرکتوں پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ اگر تو چاہتا ہے تو اسی وقت پولیس کو طلب کر کے مجھے گرفتار کرا دے مگر یاد رکھ یہ رستم کچی گولیاں کھیلنے والا نہیں ہے۔ میں جس لڑکی کو ہر ماہ تجھ سے رقم وصول کرنے بھیجتا تھا۔ اس کو حکم دے آیا ہوں کہ وہ گھر سے غائب ہو جائے اور اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر میں ایک مقررہ مقام پر اس سے آ نہ ملوں تو تیری تصویریں اور عہد نامہ سر عمران تک پہنچا دے۔''

ارمان خاموش تھا اور آنکھیں بند کیے آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے جسم سے روح کھینچ لی گئی ہو۔ اسی عالم میں اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ایک ہزار کے دو نوٹ اس طرح میز پر پھینک دیئے جس طرح کتے کے آگے ہڈی ڈال دی گئی ہو۔

''اس جناب تو تین ہزار کے چکر میں آئے تھے مگر خیر آئندہ سہی۔'' رستم نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''یار زندہ صحبت باقی۔''

دروازے کے قریب رک کر اس نے احتیاط سے چٹخنی کھولی اور کواڑ کو خفیف سا کھول کر باہر جھانکا تو چونک پڑا۔ برآمدے کے سامنے والے گوشے میں ایک لڑکی کھڑی غور سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور ارمان سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''میری نگرانی کے لیے بڑا حسین جاسوس منتخب کیا ہے تم نے۔ لیکن یاد رکھو یہ کھیل بہت خطرناک ہے۔''

اس سے پہلے کہ ارمان کوئی جواب دیتا رستم دروازہ کھول کر بے دھڑک باہر نکل گیا۔ برآمدے میں زینے کی طرف جانے کی بجائے وہ تیزی سے دوسری طرف بڑھتا چلا گیا۔ برآمدے کے موڑ پر پہنچ کر اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر خاموشی سے دروازہ بند کر لیا۔ دو منٹ بعد ہی اس نے برآمدے میں قدموں کی نرم مگر تیز آہٹ سنی جو دروازے کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ بالائی منزل کے اس حصے میں بہت سے کمرے خالی پڑے تھے۔ رستم نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ لڑکی اس کی طرف پشت کیے زینے کی مخالف سمت میں جا رہی تھی۔ رستم تیزی سے نکلا اور برآمدے کے موڑ پر گھوم کر زینے کی طرف چل دیا۔ دو منٹ بعد ہی وہ ہوٹل سے نکل کر غائب ہو چکا تھا۔

☆☆

شہاب نے ایک غائر نظر ارمان پر ڈالی اور بولا۔ ''کیا آپ اپنے باپ کی زندگی کو عزیز نہیں سمجھتے؟''

''اس کا جواب میرا دل ہی دے سکتا ہے۔'' ارمان نے کہا۔ ''اگر ضرورت پڑے تو میں ان کی زندگی کے لیے اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا ہوں۔''

''آپ کا یہ جذبہ قابل تعریف ہے۔'' شہاب نے کہا۔ ''لیکن قانون جذبات کو نہیں دیکھتا' افعال کو دیکھتا ہے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''تو کیا آپ صاف صاف سننا چاہتے ہیں؟''

''بالکل۔''

''تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کل رات ہنی مون پیلس ہوٹل میں آپ نے کن لوگوں سے ملاقات کی اور کیا باتیں ہوئیں؟''

''کل رات؟ اوہو ہاں میں وہاں ایک عجیب پراسرار لڑکی سے ملا تھا۔'' ارمان نے سنبھل کر کہا۔

''اس لڑکی کا نام کیا تھا؟''

''نام...... لاحول ولاقوۃ' نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔'' ارمان نے مسکرا کر کہا۔

''کیا اس لڑکی سے گفتگو کرنے کے دوران آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ ممکن ہے وہ مجرموں کے اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہو جو انتہائی چالاک طریقے سے سر عمران کے جسم میں زہر داخل کر رہا ہے؟'' شہاب نے پوچھا۔

''میرا خیال تو اس کے برعکس تھا۔''

''یعنی......؟''

''یعنی یہ کہ اس لڑکی کا تعلق حکم کے...... میرا مطلب ہے کہ......''

''حکم کے بادشاہ سے ہوگا۔ یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟'' شہاب بولا۔

ارمان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''تو کیا والد صاحب نے آپ کو ان خطوط کے بارے میں بتا دیا ہے؟''

''سر عمران نے جو کچھ بتایا ہے اسے چھوڑیئے۔'' شہاب نے کہا۔ ''میں تو یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کیا بتاتے ہیں۔''

ارمان کے چہرے پر اب حیرت کی جگہ کبیدگی کی علامات نمایاں تھیں۔ اس نے کہا۔ ''بہتر ہوتا کہ والد صاحب نے آپ سے ان خطوط کا تذکرہ نہ کیا ہوتا۔ وہ بالکل واضح طور پر میرے خلاف ایک سازش ہے۔ حکم کا بادشاہ خواہ کوئی بھی ہو لیکن یہ بالکل صاف ہے کہ وہ والد صاحب کا ہمدرد بن کر قاتلانہ کوشش کا شک وشبہ ان لوگوں کی طرف موڑ دینا چاہتا ہے جو والد صاحب سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں میری پوزیشن سب سے زیادہ نازک ہے۔''

''لیکن آپ اطمینان رکھیں۔ سر عمران کے دل میں آپ کی جانب سے کوئی بدگمانی پیدا ہونی ناممکن ہے۔'' شہاب بولا۔ ''انہوں نے آج تک مجھ سے ان خطوط کے بارے میں اس طرح کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جس طرح آپ نے آج سے پیشتر تک ان کے متعلق مجھے کچھ نہیں بتایا تھا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی یہ رازداری میری لیے بہت مایوس کن بات ہے۔''

''میں شرمندہ ہوں، مسٹر شہاب۔'' ارمان نے کہا۔ ''میرا خیال تھا کہ ان خطوط کے تذکرے سے آپ کو مجرم کے سراغ میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ کیونکہ حکم کا بادشاہ واضح طور پر کوئی ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جو اس خطرناک شخص کی مخالفت میں سرگرم عمل ہے جس نے اب تک والد صاحب کو زہر دیتے رہنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس لحاظ سے تو میں حکم کے بادشاہ کو اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ شکوہ صرف یہ ہے کہ اس کے خطوط سے میرے متعلق بدگمانی پیدا ہوسکتی ہے۔''

''اور غالباً اسی شکوے کے اظہار کے لیے حکم کے بادشاہ سے ملنا چاہتے تھے؟'' شہاب نے پوچھا۔

ارمان کے چہرے پر ایک بار پھر حیرت کی علامات نمایاں ہوئیں اور وہ بولا۔ ''کیا آپ اس لڑکی سے مل چکے ہیں؟''

''فی الحال آپ ایسا ہی سمجھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔'' شہاب نے کہا۔ ''لیکن میں آپ کو اس لڑکی کی طرف سے خبردار کردینا چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ کا مطلب اس لڑکی کے حسن کی کشش سے ہے تو......''

''نہیں مسٹر ارمان۔'' شہاب بولا۔ ''میرا مطلب صرف یہ ہے کہ سر عمران کو زہر دینے والا شخص اور حکم کے بادشاہ کے نام سے خطوط لکھنے والا شخص ایک ہی ہو اور یہ لڑکی اسی سے متعلق ہو۔''

''لیکن زہر دینے اور پھر دوست بن کر خط لکھنے سے کسی کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟''

''مقصد تو بالکل صاف ہے۔'' شہاب بولا۔ ''مجرم اپنے جرم کا شبہ دوسرے لوگوں پر ڈالنا چاہتا ہے۔ اس مقصد میں وہ کہاں تک کامیاب ہوا۔ غالباً یہی معلوم کرنے کے لیے وہ لڑکی آپ کے پاس بھیجی گئی تھی۔''

''اور آپ اس لڑکی سے مل چکے ہیں؟''

''جی ہاں۔'' شہاب نے مسکرا کر کہا۔ ''ورنہ یہ سب باتیں مجھے کیسے معلوم ہوتیں۔''

''تو آپ نے اس مجرمہ کو گرفتار کیوں نہیں کرلیا؟''

''وہ میری ذاتی قید میں ہے۔'' شہاب نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ اس سے ملنا پسند کریں گے؟''

''تو کیا وہ یہاں آپ کی کوٹھی ہی میں موجود ہے؟'' ارمان نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں۔'' شہاب مسکرا کر بولا۔ ''میرے دفتر میں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی شہاب نے ایک خفیہ بٹن دبایا اور پہلو کے دروازے سے فیروزہ نمودار ہوئی۔

''یہ ہیں میری قیدی میری پرائیویٹ سیکریٹری مس فیروزہ۔'' شہاب نے ہنس کر کہا۔

''بڑا حسین فریب دیا ہے آپ لوگوں نے مجھے۔'' ارمان نے خفیف ہوکر کہا۔

''جی نہیں۔'' شہاب سنجیدگی سے بولا۔ ''اس فن میں، میں اور فیروزہ ابھی آپ سے بہت پیچھے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' ارمان نے چونک کر کہا۔

''آپ نے میرے ابتدائی سوالات کے وقت ان خطوط کو راز ہی رکھا جو حکم کے بادشاہ کے نام سے سر عمران کو ملتے رہے ہیں۔'' شہاب نے کہا۔ ''آپ کو یاد ہوگا میں نے اس کا تذکرہ کیا تھا لیکن آپ نے مجھے اپنا دوست سمجھنے کے باوجود تاریکی میں رکھا۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ حکم کا بادشاہ ایک خط میرے نام بھی بھیج چکا ہے۔ اس کے مدنظر میں نے آپ سے سوالات کیے تھے کیونکہ میں فی الحال سر عمران سے کوئی گفتگو اس سلسلے میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آپ نے اس وقت مجھ سے جھوٹ بولا لیکن اس سے بھی زیادہ افسوس یہ ہے کہ اب پھر آپ ایک جھوٹ بول رہے ہیں۔''

''آپ کا کیا مطلب ہے؟'' ارمان نے قدرے بدمزگی سے کہا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی پوزیشن کتنی نازک ہے۔'' شہاب نے تیزی سے کہا۔ ''سر عمران کو یقینی طور پر ایک ایسا ہلکی قسم کا زہر دیا جارہا ہے جو ان کو آہستہ آہستہ ہلاک کررہا ہے۔ ان کی حفاظت کے تمام انتظامات آپ کے تحت ہیں اور اگر آج

پولیس کو یہ کیس دے دیا جائے تو پہلا اور قوی شبہ آپ ہی پر کیا جائے گا۔ شاید اس وقت باپ کی محبت اور آپ کا کوئی عذر آپ کو نہ بچا سکے گا۔ میں اس مصیبت سے آپ کو بچانے کے لیے ایک خطرناک مجرم سے جنگ کر رہا ہوں لیکن پھر بھی آپ مجھے قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔"

"میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا یہ خیال درست نہیں۔" ارمان نے دبی زبان سے کہا۔

"تو آپ بتائیے کہ وہ شخص کون تھا جو ہوٹل کے کمرے میں آپ سے ملنے آیا تھا؟" شہاب نے بلند آواز سے پوچھا۔

ارمان کا چہرہ حیرت وخوف سے زرد پڑ گیا۔ اس کی انگلیوں میں کانپتی ہوئی سگریٹ دھوئیں کی لہریں بنا رہی تھی لیکن دوسرے منٹ ہی میں اس نے خود کو سنبھال لیا اور فیروزہ کی طرف برہمی سے دیکھتے ہوئے شہاب سے کہا۔ "آپ میری حرکات وسکنات کی نگرانی کیوں کرا رہے ہیں؟"

"میں آپ سے سوال نہیں بلکہ اپنے سوال کا جواب سننا چاہتا ہوں۔" شہاب بولا۔

"میرے پاس آپ کے سوال کا کوئی جواب نہیں۔"

"آپ کا مطلب یہ ہے شاید کہ آپ اس سوال کا جواب مجھے نہیں بلکہ پولیس کو دینا پسند کریں گے۔"

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟" ارمان نے ایک مستحکم سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" شہاب نے کہا۔ "میں بلیک میلر نہیں ہوں کہ آپ کو کوئی دھمکی دوں، میں تو قانونی حیثیت سے اپنا فرض......"

"بلیک میلر......" ارمان نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ "تو......کیا......کیا......آپ؟ مگر نہیں آپ کو بدگمانی ہوئی ہے۔"

شہاب کی تیز نظریں ارمان کی روح تک میں اترتی معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ ایک خطرناک مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "شکریہ مسٹر ارمان اب مجھے اپنے سوال کے جواب کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟" ارمان نے تحیر سے پوچھا۔

"اس لیے کہ آپ نے میرے سوال کا جواب دے دیا ہے۔" شہاب نے کہا۔ "اب میرے لیے صرف ایک ہی طریقہ کار باقی ہے۔" یہ کہہ کر شہاب، جمی کی طرف مڑا اور آنکھ کا خفیف اشارہ کر کے بولا۔ "دیکھو جمی ذرا انسپکٹر کو فون کر دو اور اس سے کہو کہ اس شخص کو فوراً گرفتار کر لیا جائے جس کے متعلق میں نے تذکرہ کیا تھا۔"

"ایسا غضب نہ کیجیے۔" ارمان نے خوف زدہ ملتجی انداز میں کہا۔ "خدارا ایسا نہ کیجیے مسٹر شہاب!"

"کیوں؟" شہاب نے بے پروائی سے جماہی لیتے ہوئے کہا لیکن دراصل وہ دل میں اس کے جواب کے لیے بے تاب تھا۔

"اس شخص کی گرفتاری ہمارے خاندان کی تباہی کا باعث ہوگی۔" ارمان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"خوب۔" شہاب گہرے غور وفکر کے ساتھ بولا۔ "یعنی آپ کو یقین ہے کہ وہ شخص آپ کا راز طشت از بام کر دے گا؟"

"بڑا کمینہ اور بے رحم شخص ہے وہ۔" ارمان بولا۔ "اسی لیے میں مجبور ہوں کہ......"

"دولت سے اس کا منہ بند رکھا جائے۔" شہاب نے مسکرا کر اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ "آپ کا کون سا راز اسے معلوم ہے؟"

"میں بہت مجبور ہوں، مسٹر شہاب یہ بات میں آپ کو نہیں بتا سکتا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس راز کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں جس کی تفتیش آپ کر رہے ہیں۔ یہ ایک بالکل جدا اور میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

"آپ کے والد صاحب کی زندگی اور موت بھی تو آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔" شہاب نے طنزیہ کہا۔ "کم از کم پولیس تو ایسا ہی سمجھے گی۔"

"لیکن آپ باور کریں کہ اس زہر سے اس شخص کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تو کیا آپ کو یہ شبہ ہے کہ زہر دینے والے کے بارے میں، میں جانتا ہوں؟" شہاب نے قدرے برہمی سے کہا۔

"آپ کے جوابات سے پولیس تو یہی نتیجہ نکالے گی۔"

"پولیس احمق ہے۔" ارمان بولا۔ "میں پولیس کو......"

"لیکن پولیس کی یہ حماقت آپ کے لیے وبال جان بن سکتی ہے، مسٹر ارمان۔" شہاب نے کہا۔ "خیر چھوڑیئے اس تذکرے کو کیا آپ اس شخص کا نام بتا سکتے ہیں جو ہوٹل میں آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔"

"فی الحال میں اس کا نام نہیں بتا سکتا۔"

"فی الحال......؟"

"جی ہاں میرا مطلب یہ ہے کہ......"

"کہ میں کہیں اس کو گرفتار نہ کرا دوں۔" شہاب نے کہا۔ "لیکن ایسا تو بہر حال ممکن ہے۔ کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں؟"

''کیوں نہیں۔'' ارمان عجلت سے بولا۔ ''لیکن میری مجبوریاں کچھ ایسی ہیں، مسٹر شہاب کہ میں فی الحال آپ جیسے محسن سے بھی بے تکلف ہونا اپنے لیے ممکن نہیں پا رہا ہوں۔ کم از کم والد صاحب کی زندگی تک مجھے خاموش ہی رہنا پڑے گا۔''

''یہ بات بڑی دلچسپ کہی ہے آپ نے۔'' شہاب بولا۔ ''لیکن مسٹر ارمان اگر آپ اپنی خیریت چاہتے ہیں تو پولیس کے سامنے اپنا یہ آخری جملہ نہ دہرائیے گا ورنہ یہ نتیجہ نکالنے میں انسپکٹر پریم حق بجانب ہوگا کہ سرعمران کی زندگی آپ کے لیے ایک بڑی مصیبت کو برداشت کرنے کی مجبوری بنی ہوئی ہے اور ان کی موت آپ کے لیے نجات کا سبب ہو سکتی ہے۔''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟'' ارمان نے برہمی سے کہا۔

''فرما نہیں رہا ہوں صرف عرض کر رہا ہوں۔''

''میں ایسے الفاظ نہیں سن سکتا۔'' ارمان نے اچانک کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو مجھ پر رحم آنا چاہیے لیکن آپ ہیں کہ نہایت سنگ دلی کے ساتھ یہ جتانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ میں خود اپنے باپ کی موت چاہتا ہوں۔''

''غصہ بہت خطرناک چیز ہے راز کے لیے۔'' شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''وہی جو آپ خواہ مخواہ چھپانا چاہ رہے ہیں۔''

''خواہ مخواہ سے کیا مطلب ہے؟''

''صرف یہ کہ آپ ضرورت سے زیادہ عقلمند بننے کی کوشش نہ کریں۔'' شہاب بولا۔ ''آپ کو شاید علم نہیں کہ جب میں نے مس فیروزہ کو آپ سے گفتگو کرنے کے لیے ہوٹل بھیجا تھا تو پولیس کا ایک آدمی آپ دونوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ اگرچہ آپ کا پراسرار ملاقاتی دھوکا دے کر مس فیروزہ کی نگاہ سے بچ کر نکل گیا لیکن پولیس کے اس آدمی کی نظروں سے بچنا مشکل تھا۔''

''یہ کیا قیامت کر ڈالی آپ نے مسٹر شہاب۔'' ارمان چلا کر بولا۔

''آپ کو معلوم نہیں کہ اس طرح آپ سرعمران کی عزت و آبرو اور زندگی سے کھیل رہے ہیں اور......''

اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی نے شہاب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ ریسیور کان سے لگا کر دو تین منٹ تک کچھ سنتا رہا پھر چند بے ربط الفاظ ادا کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا اور ارمان سے مخاطب ہوا۔ ''مبارک ہو وہ گرفتار نہیں ہو سکا۔''

''کون؟''

''رستم۔''

''رستم۔'' ارمان نے نزع جیسی حالت میں دہرایا۔

''جی ہاں۔'' شہاب نے کہا۔ ''آپ کا وہی ملاقاتی جس سے آپ ہوٹل میں ملے تھے۔ وہ گرفتاری سے تو بچ گیا لیکن پولیس نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ اس کا نام رستم ہے۔ اس کی تلاش جاری ہے۔ وہ رقاصہ لڑکیوں کی تربیت کا کام کرتا ہے اور دو مرتبہ جیل جا چکا ہے۔ کیا اس کے متعلق کچھ اور عرض کروں؟''

ارمان جواب دینے کی بجائے تیزی سے اٹھا اور رخصت ہو گیا۔

''کچھ کالا میں دال ضرور ہے۔'' نجمی بولا۔

''کالا میں دال اور دال میں بہت بڑا کالا۔'' شہاب نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆☆

اسی شام کو اخبارات کی چند موٹی سرخیوں نے شہر میں سنسنی پھیلا دی۔ ہر شخص کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا۔ ''سرعمران کہاں غائب ہو گئے؟'' اس خبر کو سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اخبار انکشاف نے شائع کیا تھا۔

''کروڑ پتی کا اغوا، سرعمران کی حیرت انگیز گمشدگی، پولیس جھک مار رہی ہے۔''

ہمارے اسٹاف رپورٹر کے بیان کے مطابق آج دوپہر کے قریب سرعمران حیرت انگیز طور پر ڈاکٹر کے مطب سے غائب ہو گئے۔ وہ اپنی آنکھوں کے خصوصی معائنے کے لیے آج گیارہ بجے کے قریب ایک ماہر چشم کے مطب میں گئے تھے اور ڈرائیور کو ایک گھنٹے بعد آنے کی ہدایت کر کے انہوں نے اپنی کار واپس بھیج دی تھی لیکن آنکھوں کا معائنہ نصف گھنٹے ہی میں ختم ہو گیا اور وہ ڈاکٹر کے مطب سے نکل کر ایک قریبی ہوٹل کی طرف چلے گئے۔ اس کے بعد ان کا کوئی پتا نہ چل سکا۔''

شہاب نے انتہائی غور سے اس خبر کے ایک ایک لفظ کو کئی بار پڑھا اور خلاف معمول نجمی سے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے تمہارا؟''

''خیال کو گولی مارو۔'' نجمی بولا۔ ''یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے حضور کہ مسٹر ارمان بڑے گہرے قسم کے چار سو بیس ہیں۔'' نجمی بولا۔

''تمہاری رائے میں یہ حرکت ارمان کی ہے؟''

''جی نہیں ہرگز نہیں۔ ارمان تو ایک پیدائشی فرشتہ ہے۔''
نجمی نے طنزیہ کہا۔ ''یہ حرکت تو میری ہے یا تمہاری۔''
''احمق ہو تم۔''
''یہ کوئی نیا خیال نہیں حضور کا اور نہ ہی یہ کوئی نئی بات ہے کہ جناب کو سیدھی سادی راہ چھوڑ کر خواہ مخواہ بھول بھلیوں میں چہل قدمی فرمانے کا شوق ہے۔''
''تمہیں اپنی ناک سے آگے دیکھنا ہی نہیں آتا۔'' شہاب نے کہا۔
''لیکن حضور میری ناک پوری کائنات سے زیادہ لمبی ہے۔ اس سے آگے حماقت کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ چنانچہ اس کو میں آپ جیسے دور بین حضرات کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔'' نجمی بولا۔ ''ایک طرف تو آپ کی بقراطیت اور سقراطیت نے یہ کمال کیا کہ ہوٹل میں میری بجائے فیروزہ کو بھیج کر اس رستم کے بچے کو نکل بھاگنے کا پاسپورٹ عطا فرما دیا اور دوسری طرف ارمان کو فوراً گرفتار نہ کر کے اس مریل کروڑ پتی کی گمشدگی کی آفت نازل کر لی۔''
''بات تو کچھ عقل کی کہہ رہے ہو آج۔'' شہاب نے مسکرا کر کہا۔
''تو پھر آج کوئی زلزلہ ضرور آ کر رہے گا۔''
''کس لیے؟''
''اس لیے کہ جناب نے آخر کار اپنی حماقت اور ایں جناب کی دانش مندی کا اعتراف کر ہی لیا۔''
''ایک دم گدھے ہو تم۔''
''کیا کہا؟''
''بے حد اوندھی کھوپڑی پائی ہے تم نے۔'' شہاب بولا۔ ''یقین نہ ہو تو یہ خط پڑھو۔'' شہاب نے ایک چھوٹا سا کاغذ نجمی کی طرف پھینک دیا۔ نجمی نے عجلت سے کاغذ کھول کر پڑھا۔ اس پر انگریزی ٹائپ کے حروف میں مندرجہ ذیل تحریر موجود تھی۔
''شہاب صاحب! مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ آپ اس بوڑھے کروڑ پتی کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ آپ نے نہ صرف معاملات کو بد سے بدتر بنا دیا بلکہ خواہ مخواہ خود کو بھی خطرے میں پھنسا لیا ہے۔ سر عمران کو آپ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اب میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ ان کی زندگی اور بینائی کی حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے۔ کچھ دنوں بعد ان کو واپس پہنچا دیا جائے گا۔ اس اثناء میں آپ ان کے گھر کے افراد پر نظر رکھیں۔ خصوصاً اس پر جس کو آپ فرشتہ سمجھ رہے ہیں۔ اپنی حفاظت سے بھی غافل نہ رہیے گا۔ آپ آگ سے کھیل رہے ہیں۔ آپ کا مخلص، حکم کا بادشاہ۔''
''اس سے تو خود میری اوندھی کھوپڑی کی تائید ہوتی ہے۔'' نجمی نے خط واپس کرتے ہوئے کہا۔
''اسی لیے یہ سب کچھ ایک جعل ہے۔'' شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ رستم کو تلاش کیا جائے۔''
''جہنم میں جائے تمہارا رستم اور سہراب۔'' نجمی نے کہا۔ ''حضور! مجھے تو جانا ہے آج رات ایک مشاعرے میں اور عرض کرنا ہے اپنی غزل کا ایک عدد مقطع۔''
''تم مشاعرے میں نہیں جاؤ گے۔''
''کیوں؟''
''اس لیے کہ تمہیں میرے ساتھ عمران منزل چلنا ہے۔''
''خیریت۔'' نجمی بولا۔ ''کیا جناب کو خیال ہے کہ عمران اپنے گھر میں چھپا بیٹھا ہے؟''
''بکواس بند کرو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ انسپکٹر پریم وہاں ہمارا منتظر ہوگا۔''
پندرہ منٹ بعد جب شہاب اور نجمی، عمران منزل پہنچے تو پریم وہاں موجود تھا۔ اس کی صورت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شہر بھر کی خاک چھانتے اور عمران منزل میں لوگوں سے سوالات کرتے کرتے تھک چکا ہے۔ شہاب کو دیکھتے ہی انسپکٹر پریم نے وہ لمبی فہرست اس کے سامنے رکھ دی جس میں پہلے مقامات اور پھر بہت سے افراد کے نام درج تھے۔ ان تمام مقامات پر پولیس ان لوگوں سے پوچھ گچھ کر چکی تھی۔ شہاب نے اس فہرست پر ایک نظر ڈالی اور ایک نام پر انگلی رکھ کر پوچھا۔
''سر عمران کی پرائیویٹ سیکریٹری یہی ہے نا؟''
''جی ہاں۔''
''اچھا تو اس کو بلائیے۔''
دو منٹ بعد ہی پولیس کا ایک آدمی ایک حسین لڑکی کو ساتھ لیے کمرے میں داخل ہوا۔ شہاب نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور نہایت نرمی سے بولا۔ ''تشریف رکھیے مس شہلا معاف کیجیے گا میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔''
''شرمندہ نہ کیجیے۔'' شہلا نے دلربا ادا سے کہا۔ ''اس میں زحمت کی کیا بات ہوئی؟''
''آپ کب سے سر عمران کی سیکریٹری ہیں؟'' شہاب نے بے پروائی سے پوچھا۔
''گزشتہ چھ ماہ سے۔''
''غالباً مسٹر ارمان کے بعد آپ ہی وہ فرد ہیں جس سے

سرعمران کو قریب ترین واسطہ رہتا تھا؟''

''پرائیویٹ سیکریٹری کی حیثیت سے۔''

''جی ہاں میرا یہی مطلب تھا۔'' شہاب نے عجلت سے کہا۔ ''کیا آج گیارہ بجے سے قبل سرعمران کی حرکات وسکنات یا گفتگو سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا کہ وہ آئندہ کہیں دوسری جگہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

''جی نہیں۔'' شہلا نے جواب دیا۔

''سرعمران کی نگاہ بہت کمزور تھی۔ اس لیے ان کے خطوط وغیرہ آپ ہی پڑھتی اور لکھتی ہوں گی؟''

''جی ہاں۔''

''کیا حال ہی میں انہیں کوئی ایسا خط ملا تھا جو کچھ عجیب سا ہو؟''

''میرے علم میں ایسا کوئی خط نہیں۔''

''شکریہ۔'' شہاب نے کہا۔ ''بس تھوڑی سی زحمت اور دینا چاہتا ہوں۔ مسٹر ارمان نے بتایا ہے کہ جب تک سرعمران کی نگاہ بالکل ہی دھندلی نہیں ہوگئی انھوں نے کوئی پرائیویٹ سیکریٹری نہیں رکھا۔''

''مجھے بھی یہی بتایا گیا ہے۔'' شہلا نے جواب دیا۔

''تو کیا آپ کے لیے بھی ایسی ملازمت کا یہ پہلا موقع ہے؟''

''جی ہاں۔''

''تب تو شاید آپ کو اس ملازمت کے حصول میں کچھ دشواری پیش آئی ہوگی؟''

شہلا نے ایک ساعت توقف کیا اور بولی۔ ''جی ہاں ایک ناتجربے کار ملازم کی حیثیت سے مجھے بھی دشواری ہونی چاہیے تھی لیکن میرے ایک محسن نے سرعمران سے سفارش کردی تھی۔''

''لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے سرعمران ہی نے بتایا تھا کہ مسٹر ارمان نے بھی آپ کی بہت تعریف کی تھی۔''

شہلا کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور وہ بولی۔ ''ممکن ہے مجھے اس کا علم نہیں۔ میرے لیے درحقیقت ابتدائی تعارف کا خط سرعمران کے ایک قدیم دوست مسٹر چندر موہن نے لکھا تھا جن کا انتقال دو ماہ پہلے کار کے حادثے میں ہوچکا ہے۔''

''شکریہ۔'' شہاب بولا۔ ''غالباً آپ کے پاس ان لوگوں کی فہرست تو ضرور ہوگی جن سے سرعمران نے گزشتہ دو ہفتوں کے دوران ملاقات کی ہے۔''

''جی ہاں۔'' شہلا نے کہا۔ ''میری ڈائری میں موجود ہے۔''

''اگر زحمت نہ ہو تو یہ سامنے ٹائپ رائٹر موجود ہے۔ اس پر ان سب لوگوں کے نام ٹائپ کردیجیے۔''

''ضرور۔'' شہلا نے کہا اور دومنٹ میں فہرست ٹائپ کر کے شہاب کے سامنے رکھ دی۔

''بہت بہت شکریہ۔'' شہاب نے کہا۔ ''آپ کا بہت وقت خراب کیا میں نے۔''

''جی نہیں یہ تو میرا فرض تھا۔'' شہلا نے جواب دیا اور کمرے سے چلی گئی۔

شہاب نے نہایت احتیاط سے فہرست کو رومال سے اٹھایا اور تہ کر کے انسپکٹر پریم کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''اس کاغذ پر شہلا کی انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔ ان کی بابت جو کچھ معلوم ہوسکے معلوم کیجیے اور پھر یہ فہرست مجھے واپس کردیجیے۔''

''تو کیا شہلا کے متعلق......؟''

''جی ہاں مجھے پہلے ہی دن سے شبہ تھا اور اب اور زیادہ ہے۔'' شہاب نے کہا۔ ''اس سے زیادہ فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''حسن کا ذوق تم لوگوں کو رتی بھر نہیں ملا۔'' نجمی بولا۔

شہاب نے نجمی کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور گھر کے ملازمین کو یکے بعد دیگرے بلا کر مختلف سوالات کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کوٹھی کے مختلف کمروں کا بغور معائنہ کیا اور گھومتا ہوا اس طرف جا نکلا جہاں ملازمین کے کوارٹرز تھے۔ نجمی اور انسپکٹر پریم ساتھ تھے۔

وہاں سے رخصت ہونے سے قبل شہاب اس بوڑھی اپاہج اور اندھی عورت سے ملا جو عمران کے خاندان میں باورچن کی زندگی گزار چکی تھی اور اب اس کی جگہ اس کا لڑکا کام کررہا تھا۔ ابتدائی بے تکلف اور شیریں جملوں کے بعد شہاب نے اس بوڑھی عورت سے سوال کیا۔ ''عمران صاحب کو تو تم نے اپنی گود میں کھلایا ہوگا بڑی بی؟''

''ہاں بھیا کیوں نہیں؟'' بوڑھی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ستر اسی کے پھیر میں ہوں آج کل۔''

''تمہارے پکائے ہوئے کھانوں کی عمران صاحب بڑی تعریف کرتے تھے۔'' شہاب بولا۔ ''کون کون سے کھانے کھلائے ہیں ان کو تم نے؟''

''ارے کوئی ایک کھانا ہو تو بتاؤں۔'' بوڑھی فخریہ انداز میں بولی۔ ''مگر ایمان کی بات ہے کہ میرا لڑکا تو مجھ سے بھی بازی لے گیا۔ مرغ مسلم تو وہ بلا کا بناتا ہے کہ لوگ ہونٹ چاٹتے رہ

جائیں۔"

"تو کسی دن ہمیں بھی چکھا دو تھوڑا سا۔" نجمی بولا۔

"کیا چکھائیں، بیٹا جب سے مالکن کا انتقال ہوا سیٹھ صاحب کی تندرستی بگڑی، باورچی خانے کا ڈھنگ ہی بگڑ گیا۔ سیٹھ صاحب کے لیے یہ ڈاکٹر لوگ نہ جانے کیا کیا پکواتے ہیں۔ نہ پکانے کا مزا نہ کھانے کا۔ حد یہ ہے کہ سیٹھ صاحب کو میٹھے کا بے حد شوق تھا لیکن اب ایک لقمہ بھی کھالیں تو قے ہو جاتی ہے۔ اب جو تھوڑی بہت رونق باورچی خانے کی ہے تو ارمان بیٹا کے دم سے ہے۔"

"باورچی خانے میں تمہارے بیٹے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرتا؟" شہاب نے پوچھا۔

"نہیں بھیا اب تو وہاں ایک ہی آدمی بہت ہے۔" بوڑھی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ایک وقت تھا کہ......"

"لیکن بڑی بی! یہاں بیٹھے بیٹھے تمہارا کیا جی لگتا ہوگا؟" شہاب نے کہا۔ "کبھی کبھی تو باورچی خانے میں جانا ہی ہوتا ہو گا۔"

"سردی زیادہ ہوتی ہے تو کبھی کبھی گرتی پڑتی وہاں جا کر بیٹھ جاتی ہوں ورنہ بھیا اب ٹانگیں کام نہیں کرتیں۔" بوڑھی نے ایک چھوٹی سی ڈبیا سے تمبا کو نکال کر سونگھتے ہوئے کہا۔ "ارمان میاں ضد کرتے ہیں تو ماننا ہی پڑتا ہے۔"

"تمبا کو تو بہت بڑھیا لیا ہے تم نے۔" شہاب بولا۔

"پرانی عادت چلی آتی ہے میاں۔" بوڑھی نے کہا۔ "خدا بھلا کرے سیٹھ صاحب کا کہ میرا خیال کر کے خود یہ تمبا کو منگوا دیتے ہیں۔ ایک دن ارمان میاں بھول گئے تو سنا ہے سیٹھ صاحب خوب بگڑے اس پر کہنے لگے کہ یہ بے چاری تو مر جائے گی اگر تمبا کو نہ ملا۔"

"ارے نہیں تم کہاں مر سکتی ہو بھلا بڑی بی۔" نجمی بولا۔ "سنا ہے ملک الموت تمبا کو کی بو سے ڈرتا ہے۔"

بوڑھی پوپلے منہ سے ہنسنے لگی اور وہ لوگ اسے اسی طرح ہنستے چھوڑ کر دوسری طرف چل دیئے۔

"کیا تعجب ہے کہ سر عمران کے جسم میں تمبا کو کا زہر داخل ہو رہا ہو اور وہ اسی بڑھیا کی ڈبیا سے تعلق رکھتا ہو۔" انسپکٹر پریم نے کہا۔

"سو فیصدی۔" نجمی بولا۔

شہاب کچھ نہ بولا۔ کار تک پہنچنے تک وہ خاموش ہی رہا۔ آخر نجمی بول اٹھا۔

"یہ خاموشی کب ختم ہوگی سرکار؟"

"جب طوفان آئے گا۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔

☆☆

رستم کے بعد اب عمران کو لاپتہ ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ اس مدت میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو کہ شہاب نے اپنے گھر میں دونوں وقت کا کھانا کھایا ہو۔ وہ ایک پراسرار روح کی طرح نہ جانے کہاں کہاں آوارہ پھرتا رہا تھا۔ انسپکٹر پریم تو اپنی تمام تر قوت صرف کرنے کے بعد اب ناکامی کا یقین کرنے لگا تھا۔ انسپکٹر پریم شاید آج یہ طے کر کے آیا تھا کہ شہاب کو اس کیس کے سلسلے میں اپنی رائے کے اظہار پر مجبور کر دے گا۔ چنانچہ جب اس نے پوری سنجیدگی سے اپنی ناکام تگ و دو کا ذکر کیا تو شہاب نے مسکرا کر کہا۔ "شکست تسلیم کر رہے ہیں آپ لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ جب شکست ایک حقیقت ہو تو اس سے انکار کرنا اپنا مضحکہ اڑانا ہے۔"

"آپ آزاد ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شہاب نے کہا۔ "لیکن میری دنیا میں شکست کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ میرا تو خیال ہے کہ جنگ اب شروع ہوئی ہے۔ فیصلہ اور انجام کیا ہوگا میں نہیں جانتا۔"

"بہرحال میں تو اپنی رائے قائم کر چکا ہوں۔" انسپکٹر پریم نے کہا۔

"کیا؟"

"یہی کہ ہمارے سامنے صرف دو صورتیں باقی ہیں۔" انسپکٹر بولا۔ "یا تو ہم اپنی شکست تسلیم کر لیں یا اس راز کی گرہ کو ناخن کی بجائے پوری قوت سے کھینچ کر توڑ دیا جائے۔"

"یعنی......؟"

"میرا مطلب ہے کہ ارمان کو حراست میں لے لیا جائے۔" انسپکٹر پریم نے کہا۔

"کس جرم کے تحت؟"

"اپنے باپ پر قاتلانہ کوشش اپنے باپ کا اور رستم کا اغوا۔"

"ان جرائم کا ثبوت؟"

"ثبوت بعد میں خود بخود مل جائے گا۔" انسپکٹر پریم نے پولیس کے مخصوص انداز میں کہا۔ "آپ بتا ہی چکے ہیں کہ ارمان ہرگز نہیں چاہتا کہ رستم گرفتار ہو جائے۔ رستم کسی راز کے افشا کرنے کی دھمکی دے کر ارمان سے رقمیں وصول کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ راز عمران کے زہر سے ہی متعلق ہے۔ یہ معلوم کر کے کہ پولیس رستم کی تلاش میں ہے ارمان نے ایک طرف تو رستم کو غائب کرا دیا اور دوسری طرف مزید احتیاطی قدم یہ اٹھایا کہ اپنے باپ کو بہ جبر کسی پوشیدہ جگہ پر منتقل کر دیا۔"

''کیوں؟''

''اس لیے کہ اگر رستم کسی طرح پولیس کے ہاتھ لگ بھی جائے اور یہ راز ظاہر کر دے کہ سر عمران کو زہر دینے والا دراصل خود اس کا لڑکا ہے تو یہ بات سر عمران کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ اگر مرنے سے پیشتر انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ ارمان ہی انہیں زہر دے رہا تھا تو وہ یقیناً اپنی بیوی کی وصیت کے اختیارات سے کام لے کر ارمان کو پورے ورثے سے محروم کر سکتا ہے۔ ارمان کی اسکیم یہ ہے کہ اپنے باپ کو کسی دور افتادہ جگہ پر اس طرح قید رکھے کہ اسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ قید کرنے والا شخص اسی کا بیٹا ہے۔ اس طرح وہ اپنی وصیت تبدیل نہیں کر سکے گا۔''

''بہت خوب۔'' شہاب نے کہا۔

انسپکٹر پریم نے شہاب کے ان الفاظ میں چھپے ہوئے طنز کو محسوس نہ کیا اور اسے اپنی حقیقی تعریف سمجھ کر فخر سے بولا۔ ''بوڑھی باورچن نے سونگھنے کے تمباکو کا جو تذکرہ کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسے یہ تمباکو خود ارمان ہی لا کر دیتا ہے۔ میں نے اسی سراغ کو سامنے رکھ کر شہر کی مختلف دکانوں پر تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ ارمان نہ صرف یہ تمباکو خرید کر لاتا تھا بلکہ اس نے ایک دوا فروش کی دکان سے اپنے نام کے ڈاکٹری نسخے میں نکوٹین قسم کا زہر بھی خریدا تھا۔''

''اگر ارمان نے وہ زہر واقعی کسی مجرمانہ مقصد کے لیے خریدا تھا تو وہ اتنا احمق کیوں تھا کہ اس نے اپنا نام ظاہر ہونے دیا؟'' فیروزہ نے سوال کیا۔

''صرف اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ اس پر کسی طرح کا شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔'' انسپکٹر پریم نے کسی قدر بے تکے پن سے کہا۔ ''علاوہ ازیں اس قسم کے زہر دوا فروش انہی لوگوں کو دے سکتے ہیں جو مشہور و معروف اور قابل اعتماد ہوں۔''

''بالکل درست۔'' شہاب بولا۔

اور انسپکٹر پریم نے پھر اسے اپنی ستائش تصور کر کے کہا۔ ''میں نے اب تک ارمان کی گرفتاری کو صرف اس لیے ملتوی رکھا کہ آپ کے مشورے کے بغیر میں کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔''

''لیکن اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کرنے سے ارمان کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔'' فیروزہ نے پوچھا۔ ''ارمان کے ماں باپ کی تمام رقم بہر حال اسی کو ملے گی۔''

''اس کے متعلق میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔'' پریم نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''ماں کی رقم حاصل کرنا ارمان کے لیے لازمی نہیں، نزہت کی شرط یہ بھی کہ اگر ارمان نے اپنے باپ کی پسند سے شادی کی تو دس لاکھ کے بینک کے حصے اسے دے دیئے جائیں۔ اس لیے اب اگر ارمان اپنے باپ کو ہلاک کرنے پر تل گیا ہے تو یقیناً وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے متعلق اسے علم ہے کہ سر عمران اسے پسند نہیں کریں گے۔ اب اس میں اتنا صبر بھی نہیں کہ باپ کی فطری موت تک شادی کو ملتوی رکھے۔ ممکن ہے اس طرح اسے انتظار کرنے میں اپنی محبوبہ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے کا خطرہ لاحق ہو۔''

''قسم ہے دنیا کے عقل مند ترین الو کی' آج تو یار تم نے دانائی کی ٹانگ توڑ کر رکھ دی۔'' جمی بولا۔ ''ارے میاں یہی تو میں بھی شروع سے جھک مار رہا ہوں کہ شری ارمان صاحب ہی اس تمام فساد کی جڑ ہیں مگر ہمارے یہ فلاسفر صاحب یعنی شہاب تو باریکیوں کے باوا آدم ہیں اور یہ ہرگز نہیں مانتے کہ کبھی کبھی عقل بھی بھینس کے برابر موٹی ہو جاتی ہے۔''

''آپ کے دلائل یقیناً بہت وزنی ہیں مسٹر پریم۔'' شہاب نے کہا۔ ''اور درحقیقت ارمان کے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈالنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس سلسلے میں مزید ثبوت دے سکتا ہوں۔''

''ضرور' ضرور۔'' پریم نے اشتیاق سے کہا۔

''آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے سر عمران کی سیکریٹری شہلا سے کچھ لوگوں کے نام ایک فہرست کی شکل میں ٹائپ کرائے تھے؟''

''جی ہاں اور غالباً اس کا مقصد اس کاغذ پر شہلا کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرنا تھا۔'' پریم بولا۔ ''لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں ان نشانات سے کوئی بات واضح نہیں ہوئی۔ اس طرح کے کوئی بھی نشان پولیس ریکارڈ میں موجود نہیں۔''

''درست ہے۔'' شہاب نے کہا۔ ''لیکن ابھی ان نشانات کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ میں نے گزشتہ ہفتے میں شہلا کی سابقہ زندگی کے متعلق جو چھان بین کی ہے اس کے مدنظر ابھی ہندوستان کے کئی مقامات پر تحقیق جاری ہے اور مجھے نتائج کا انتظار ہے۔ تاہم میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ شہلا نے ہم لوگوں کے سامنے جس ٹائپ رائٹر پر وہ فہرست ٹائپ کی تھی اسی ٹائپ رائٹر پر وہ خطوط بھی ٹائپ کیے گئے ہیں جو میرے نام حکم کے بادشاہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔''

''اوہو حیرت ہے۔'' پریم بولا۔ ''پھر آپ نے اس سے کیا نتیجہ اخذ فرمایا؟''

''اپنے نظریے کے لحاظ سے اگر آپ یہ کہیں تو درست ہو

گا کہ سر عمران کے کمرے میں رکھے ہوئے ٹائپ رائٹر پر شہلا کے علاوہ اگر کوئی اور شخص ٹائپ کر سکتا تھا تو وہ......"

"ارمان ہی ہوسکتا ہے۔" پریم جلدی سے بول اٹھا۔ "جی ہاں بالکل صحیح۔"

"لیکن حکم کا بادشاہ تو سر عمران کا محافظ بنا ہوا ہے۔" نجمی بولا۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ارمان ہی زہر دے رہا ہو اور وہی حکم کا بادشاہ بن کر سر عمران کی حفاظت بھی کرے؟ یار یہ بات تو تم نے بغیر دُم کی سی کہہ دی۔"

"جی نہیں مسٹر نجمی۔" پریم بولا۔ "یہ بھی ارمان کی ایک گہری چال ہے۔ حکم کا بادشادہ بن کر وہ پولیس کو چکر میں ڈالنا اور سر عمران کی حفاظت کی طرف سے مطمئن کرنا چاہتا ہے۔"

"مگر حکم کے بادشادہ نے تو اپنے خطوط میں صاف صاف اشارہ ارمان کی طرف کیا ہے کہ وہی مجرم ہے۔" فیروزہ بولی۔ "اسی لیے ارمان کو حکم کے بادشاہ سے شکوہ رہا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ارمان خود ہی اپنے جرم کی طرف لوگوں کو متوجہ کرے؟"

"ارے صاحب ان باریکیوں میں پھنسے نہیں کہ سمجھو مارے گئے۔" نجمی بولا۔ "یہ سب نقد چار سو بیس ہیں۔"

"بہرحال ان باتوں کی اصلیت تو ارمان کی گرفتاری کے بعد خود ہی معلوم ہوسکتی ہے جیل کی زندگی دو دن میں اس کا دماغ درست کر دے گی۔ جیسا کہ شہاب صاحب نے تسلیم کیا ہے۔ ہمارے پاس کافی جواز موجود ہے۔" پریم بولا۔

"لیکن اس تمام معاملے میں ایک خرابی ہے۔" شہاب نے کہا۔

"کون سی خرابی؟" پریم نے حیرت سے پوچھا۔

شہاب نے کلاک کی طرف دیکھا اور بولا۔ "خرابی یہ ہے کہ سر عمران کا پتا چل گیا ہے۔"

"پتا چل گیا کیسے؟" پریم نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ "کہاں ہیں وہ؟"

"اپنے گھر میں۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں مسٹر شہاب؟"

"میں نے حقیقت بیان کی ہے انسپکٹر صاحب!" شہاب نے جواب دیا۔ "سر عمران غالباً اس وقت تک اپنے گھر پہنچ چکے ہوں گے اور میرے منتظر ہوں گے۔ مجھے بہت عجلت میں وہاں پہنچنا ہے۔ آپ فی الحال یہ تحریر پڑھ لیں۔" یہ کہہ کر شہاب نے ایک چاک شدہ لفافہ میز پر ڈالا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

انسپکٹر پریم نے لفافہ اٹھایا اور اس کے اندر سے پرچہ نکال کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

"ڈیئر شہاب! مجھے افسوس ہے کہ میری عدم موجودگی آپ سب دوستوں کے لیے پریشانی کا باعث بنی ہوگی۔ یہ حقیقت ہے مجھے اغوا کیا گیا تھا لیکن اس کا مقصد دوستانہ تھا اور میرے لیے ایک بڑی نعمت ثابت ہوا۔ کسی پراسرار جماعت نے جس کا سربراہ خود کو حکم کا بادشاہ کہتا ہے مجھے عالم بے ہوشی میں ایک پوشیدہ مقام پر پہنچا دیا اور وہاں ایک نقاب پوش ڈاکٹر نے میرے جسم میں دوڑنے والے زہر اور خصوصاً میری آنکھوں کا ایسا ماہرانہ علاج کیا کہ میں اسے ایک معجزہ سمجھتا ہوں۔ ایک ہی ہفتے میں نہ صرف میری بینائی درست ہوگئی بلکہ عام صحت میں بھی حیرت ناک ترقی ہوئی ہے۔ میرے پراسرار نقاب پوش ڈاکٹر نے مجھے کل واپس جانے کی اجازت دے دی ہے۔ میں کل شام پانچ بجے تک عمران منزل پہنچ جاؤں گا اور آپ کا انتظار کروں گا۔ آخر میں اتنا اور عرض کر دوں کہ میرا محسن حکم کا بادشاہ کون ہے یا میرا علاج کس نے کیا اس کا مجھے کوئی علم باوجود کوشش کے نہ ہوسکا۔

آپ کا مخلص عمران!"

☆☆

شہاب آج جب عمران منزل کے احاطے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ پھاٹک پر اور کوٹھی کے مختلف حصوں میں کئی مسلح ملازمین پہرہ دے رہے ہیں اور مکان کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام تھا لیکن عمران خود پہلے سے زیادہ مطمئن اور مسرور نظر آرہا تھا۔

"میں تقریباً تندرست ہو چکا ہوں مسٹر شہاب۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "لیکن اپنے پراسرار دشمن سے غافل نہیں ہوں۔ یہ مسلح پہرہ اسی وجہ سے ہے۔"

"تو کیا آپ ان نئے محافظین کو ساتھ ہی لے کر آئے تھے؟" شہاب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" عمران نے جواب دیا۔ "جس نامعلوم مقام پر میں حکم کے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق زیر علاج تھا وہاں سے آج صبح ہی مجھے رخصت کی اجازت مل چکی تھی۔ آج کا سارا دن میں نے ان پہرے داروں کی تلاش اور حصول میں صرف کیا۔"

"لیکن کیوں؟"

"حکم کا بادشاہ یہی چاہتا تھا۔"

"یعنی یہ لوگ اسی کی جماعت کے ہیں؟"

"نہیں۔" عمران نے کہا۔ "انہیں میں نے خود مختلف ذرائع سے تلاش کر کے فوری طور پر ملازمت میں لے لیا ہے۔"

آپ خود تصور فرمائیں اس پراسرار شخص حکم کے بادشاہ نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے لیکن افسوس کہ میں کوشش کے باوجود اس سے ملاقات نہ کر سکا اور نہ ہی اس نے میری احسان مندی کے اظہار کے طور پر میری کوئی پیش کش قبول کی۔ میں نے اسے ایک لاکھ روپیہ پیش کرنا چاہا تھا لیکن اس نے یہ کہہ کر میرا چیک واپس کرا دیا کہ نیکی کسی قیمت پر خریدی نہیں جاسکتی۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ جس ڈاکٹر نے میرا علاج کیا ہے اسے حکم کے بادشاہ نے شدید تلاش کے بعد سوئٹزرلینڈ سے میرے لیے بلایا تھا۔ وہ ڈاکٹر سمیات کا ماہر تھا اور صرف حکم کے بادشاہ کے ایک اشارے پر سیدھا چلا آیا تھا۔ کیونکہ اس نے بتایا تھا کہ حکم کے بادشاہ نے ایک بار اس کو ایک خوفناک مجرم کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔"

"سوئٹزرلینڈ میں؟"

"جی ہاں۔" عمران بولا۔ "اسی ڈاکٹر سے مجھے یہ راز معلوم ہوا کہ درحقیقت حکم کا بادشاہ ایک ایسی بین الاقوامی جماعت کا سربراہ ہے جو خفیہ طور پر جرائم پیشہ لوگوں کی بیخ کنی کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس طرح اس جماعت کا ہر فرد نیکی کا سپاہی ہے لیکن وہ اس زبردست انسانی خدمت کا کوئی صلہ کسی سے طلب نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جس دن میں بالکل صحت مند ہوا اسی دن میرا ڈاکٹر غائب ہوگیا۔"

"لیکن نیکی اور حق پرستی کے مجاہدوں کو اس طرح چھپ کر کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہی سوال میں نے ڈاکٹر سے کیا تھا مسٹر شہاب۔" عمران نے کہا۔ "اس نے بتایا کہ موجودہ دنیا میں قانون کے خلاف کام کرنے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو خود قانون کے محافظ ہوتے ہیں اور جن کے ہاتھوں میں قانونی طاقت ہوتی ہے۔ اس جماعت کو زیادہ تر ایسے ہی لوگوں سے لڑنا پڑتا ہے اور اپنی حفاظت کی خاطر خفیہ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"حکم کا بادشاہ یہ کیوں چاہتا ہے کہ آپ مسلح پہرے میں رہیں؟" شہاب نے پوچھا۔

"مجھے اس کی جانب سے بتایا گیا ہے کہ چونکہ اب میرے جسم میں سرائیت کرنے والے زہر کو دور کر دیا گیا ہے اور ایسی دوائیں حاصل کر لی گئی ہیں جو آئندہ ہر زہر کا تریاق بن سکیں۔ اس لیے اب ممکن ہے کہ میرا پوشیدہ دشمن اپنے اس طریقے میں ناکام ہو کر کوئی خطرناک ارادہ کر بیٹھے چنانچہ آج ہی سے میں خود بھی ہر وقت مسلح رہنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ یہ دیکھیے میری جیب میں بھرا ہوا ریوالور موجود ہے۔" عمران نے کہا۔

"لیکن آپ کی حفاظت کا بہترین طریقہ تو یہ تھا کہ آپ کا محسن حکم کا بادشاہ اس شخص کو گرفتار کرا دیتا جو آپ کو خفیہ طریقے سے زہر دیتا رہا ہے؟" شہاب الجھ کر بولا۔ "حکم کا بادشاہ تو یہ دعویٰ کر چکا ہے کہ اس کو مجرم کا علم ہے۔"

"بالکل درست۔" عمران نے کہا۔ "لیکن حکم کے بادشاہ نے مجھے مطلع کیا تھا کہ مجرم کی شخصیت کا علم ہونا کافی نہیں۔ اس کے خلاف قانونی ثبوت ہونا ضروری ہے اور جب تک مجرم اپنی ناکامی سے جھنجلا کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جو اس کو قانونی ثبوت کے شکنجے میں جکڑ سکے اس وقت تک تو انتظار کرنا ہی پڑے گا۔"

"کیا آپ کو اب بھی میری خدمات کی ضرورت ہے؟" شہاب نے پوچھا۔

"پہلے سے بھی کہیں زیادہ۔"

"لیکن آپ کو اب مجاہدین کی ایک طاقت ور جماعت کا تعاون حاصل ہے۔" شہاب نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ کے ان نئے پہرے داروں کے علاوہ حکم کے بادشاہ کے خصوصی آدمی بھی آپ کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"مگر خطرہ اب زیادہ بھیانک ہے۔ مسٹر شہاب۔" عمران نے فکرمند لہجے میں کہا۔ "اب صورت حال بدل چکی ہے۔ میں اپنے دشمن کا کھل کر مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس خطرناک مقابلے میں مجھے ہر وقت حکم کے بادشاہ کی مدد اور اس کا مشورہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے ایک ایسے دوست اور ہمدرد کی ضرورت ہے کہ جب ضرورت پڑے میں اس کی طرف ہاتھ بڑھا سکوں۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" شہاب نے پوچھا۔

"وہی جو پہلے چاہتا تھا۔" عمران نے کہا۔ "دنیا میں آپ ہی وہ ایک انسان ہیں جو میرے دشمن کو نہ صرف بے نقاب کر سکتے ہیں بلکہ اس کے خلاف ٹھوس ثبوت مہیا کر کے اس کو قانون کی گرفت میں بھی لا سکتے ہیں۔"

"لیکن میں......" اچانک شہاب خاموش ہو گیا۔ کھلی ہوئی کھڑکی میں سے کوئی شے سنسناتی ہوئی آ کر سامنے کی دیوار میں پیوست ہو گئی تھی۔

شہاب نے ایک نظر اس عجیب شے پر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ عمران کسی مجسمے کی مانند ساکت بیٹھا دیوار میں پیوست اس چیز کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا سرخ تیر تھا جس کے پروں پر تازہ خون کی سرخی چمک رہی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد شہاب کسی قدر ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ عمران ابھی تک خوف کا مجسمہ بنا ہوا اسی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ شہاب نے ایک کرسی پر کھڑے ہو کر دیوار میں سے وہ سرخ تیر نکال لیا۔ اس کی انگلیاں تیر پر لگے ہوئے خون سے داغدار ہو گئیں۔

''یہ آپ کے چیلنج کا خاموش جواب ہے۔'' شہاب نے مسکرا کر کہا۔

عمران خوف کی زیادتی کے باعث کوئی جواب نہ دے سکا۔

''صرف دشمن کی ایک وارننگ پر آپ اس قدر سراسیمہ ہو گئے؟'' شہاب بولا۔ ''ایسی حالت میں آپ کو نہ تو ریوالور بچا سکے گا اور نہ ہی حکم کا بادشاہ۔''

''م.....میں......اپنی.......کمزوری کو جانتا ہوں مسٹر شہاب۔'' عمران نے مردہ آواز میں جواب دیا۔ ''اسی لیے تو مجھے آپ کی اشد ضرورت ہے۔''

''لیکن تعجب ہے کہ دشمن نے یہی تیر آپ کے یا میرے سینے کی طرف کیوں نہیں چلایا؟'' شہاب بولا۔ ''پھر یہ کہ آپ کے پہرے داروں کی موجودگی کے باوجود وہ شخص یہاں کھڑکی تک کیسے پہنچ گیا؟''

''کون شخص؟''

''ایک دراز قامت شخص جس نے یہ تیر اندر پھینکا تھا۔ میں اس کی صرف ایک جھلک ہی دیکھ سکا پھر وہ پائیں باغ میں نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ پہرے داروں میں سے کسی نے بھی اس کو نہیں دیکھا۔''

''حیرت ہے۔''

''حیرت کی بات نہیں، سر عمران!'' شہاب نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ناممکن ہے کہ وہ شخص کہیں باہر سے آیا ہو کھڑکی کی طرف کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس سے کوئی اجنبی شخص چھپ کر آ سکے یا چھپ کر بھاگ سکے۔ وہ شخص یقیناً آپ کے اس مکان ہی میں موجود ہے۔''

''یہاں؟'' عمران نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا آپ اسے پہچان گئے؟''

شہاب جواب دینے کی بجائے آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا۔ پھر چند لمحوں بعد آنکھیں کھول کر اس نے اچانک پوچھا۔ ''آپ کے پائیں باغ میں کون کون سے خاص پھول ہیں؟''

''پھول؟'' عمران حیرت سے بولا۔

''جی ہاں۔'' شہاب بولا اور جیب میں سے ایک سفید گلاب نکال کر کہا۔ ''کس قدر تیز خوشبو ہے اس پھول میں مگر کس قدر بدذوق تھا، وہ شخص جس نے اس پھول کو توڑ کر کھڑکی کے قریب پھینک دیا۔''

''کھڑکی کے قریب۔'' عمران پر سوچ انداز میں بولا۔ ''لیکن ہمارے باغ کے سفید گلاب تو بے خوشبو ہیں۔ ارمان کو نہ جانے کیا خبط ہے کہ ایسے ہی گلاب پسند کرتا ہے اگر یہ سفید پھول اسی باغ کا ہے تو اس میں خوشبو نہیں ہونی چاہیے۔''

''اس میں آپ کے دشمن کی خوشبو ہے۔''

''دشمن کی؟''

''یہ پھول اس دراز قامت شخص کے لباس میں لگا ہوا تھا جس نے یہ سرخ تیر کمرے میں پھینکا تھا۔'' شہاب نے پھول واپس جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''فرار ہوتے وقت جھاڑیوں میں الجھ کر گر پڑا۔ کیا آپ کے خیال میں مسٹر ارمان کو دراز قامت کہا جا سکتا ہے؟''

ایسا معلوم ہوا جیسے بوڑھے کروڑ پتی پر اچانک بجلی گر پڑی ہو۔ ''تو کیا آپ کا مطلب ہے کہ......کہ......ارمان مگر اس کو تو خوشبودار گلاب قطعی پسند نہیں۔''

''اور اتفاق سے یہ گلاب بھی خوشبو سے خالی ہے۔'' شہاب بولا۔ ''کیا آپ کو اب بھی یقین نہیں آیا کہ آپ کا دشمن اسی مکان میں آپ کے نزدیک موجود ہے۔''

''لیکن......''

''لیکن کو بھول جائیں تو بہتر ہے۔'' شہاب اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ آج سے میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ارمان کے متعلق میں کسی ایسے نتیجے پر پہنچوں جو آپ کے لیے کسی مہلک صدمے کا باعث بنے۔ دوسری طرف یہ بات بھی میرے امکان سے باہر ہے کہ میں کسی شخص کو صرف اس لیے مجرم نہ سمجھوں کہ وہ آپ کو عزیز ہے۔ میں قانون کو تجارت نہیں بنا سکتا۔ خدا حافظ!'' شہاب نے برہمی سے کہا اور کمرے سے نکل آیا لیکن جب وہ اپنی کار کے قریب پہنچا تو اس کے لبوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ تھی۔

کار کا دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے آ کر سلام کیا اور بولا۔ ''انسپکٹر بریم صاحب سامنے ہوٹل میں آپ کے منتظر ہیں، ایک اہم اطلاع کے لیے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

شہاب جب ہوٹل کے سامنے پہنچ کر کانسٹیبل کے ساتھ کار سے اترا تو اس کا دماغ موجودہ کیس کی الجھنوں میں کھویا ہوا تھا۔

کانسٹیبل کے پیچھے پیچھے وہ ہوٹل کے ایک نیم تاریک برآمدے سے گزر کر ایک کمرے کے دروازے پر پہنچا کانسٹیبل نے دروازہ کھولا اور شہاب اندر داخل ہو گیا۔

دوسرے ہی لمحے کمرے کی دھندلی روشنی میں دو قوی افراد نے اسے پکڑ لیا اور ایک نم آلود کپڑا اس کے منہ اور ناک پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ اس کے لبوں سے کوئی آواز نکل سکے وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

☆☆

شہاب کی کار پر نظر پڑتے ہی فیروزہ نے اپنی گاڑی روک دی۔ اس وقت تقریباً گیارہ بجے شب کا عمل تھا۔ شہاب شام کو سر عمران کی واپسی پر ان سے ملنے گیا تھا تو اب تک واپس نہ پہنچا تھا۔ جمی اور فیروزہ کافی دیر تک اس کا انتظار کرتے رہے تھے۔ آخر جمی کو نیند نے آ دبوچا تھا اور وہ بیٹھا بیٹھا ہی خراٹے لینے لگا تھا۔ فیروزہ بھی ناچار اٹھی اور اپنی چھوٹی سی گاڑی میں اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ سر عمران نے واپسی پر شہاب کو نہ جانے کیا کیا دلچسپ تفصیلات بتائی ہوں گی۔ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ سر عمران کی کوٹھی پر پہنچ کر شہاب سے حالات معلوم کرے لیکن پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ شہاب یقیناً اتنی دیر تک وہاں نہیں رہ سکتا وہ عمران سے ملاقات کے بعد کسی اور طرف نکل گیا ہو گا۔

اسی اثناء ایک بار جب فیروزہ کی نظر سامنے پھیلی ہوئی سڑک پر پڑی تو بری طرح چونک اٹھی۔

تقریباً سنسان سڑک پر ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے شہاب کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ شہاب اس غیر معروف ہوٹل میں اس وقت کیا کر رہا ہے؟ اس نے کچھ دور جا کر اپنی کار روک دی اور واپس آ کر ہوٹل میں داخل ہو گئی۔ ہوٹل کا کلرک ایک میز کے سامنے بیٹھا ہوا کاہلی سے بیڑی پی رہا تھا۔ ایک خوب صورت اور نوجوان لڑکی کو آتے دیکھ کر اس نے بے اختیار بیڑی والا ہاتھ میز کے نیچے چھپا لیا اور جب فیروزہ نے اس سے شہاب کے متعلق سوال کیا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''جی ہاں، بھلا مسٹر شہاب جیسے مشہور انسان کو کون نہیں جانتا۔ وہ اندر ہوٹل میں انسپکٹر پریم سے ملاقات کر رہے ہیں۔''

''مسٹر شہاب کو یہاں آئے ہوئے کتنی دیر ہوئی؟'' فیروزہ نے پوچھا۔

''تقریباً پانچ منٹ۔'' کلرک نے سامنے کلاک پر نظر ڈال کر کہا۔ ''انسپکٹر پریم نصف گھنٹہ قبل یہاں آئے تھے۔''

''کسی خاص کمرے میں ہیں، وہ لوگ؟''

''جی ہاں برآمدے کے آخری سرے پر ایک بڑا سا کمرا ہے، کمرا نمبر دس۔''

''شکریہ۔'' فیروزہ نے کہا۔ ''میں مسٹر شہاب کی سیکرٹری ہوں اور ان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

یہ کہہ کر فیروزہ برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرا نمبر دس سے کچھ فاصلے پر ایک مسلح کانسٹیبل تعینات تھا۔ سامنے کمرے کا دروازہ بند تھا۔

''ادھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔'' کانسٹیبل نے پولیس کے روایتی سخت لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' فیروزہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''کوتوال صاحب کا حکم ہے۔'' کانسٹیبل نے جواب دیا۔ ''وہ اندر کمرے میں ایک ضروری کام کر رہے ہیں۔''

فیروزہ نے بند کمرے پر نظر ڈالی۔ پہلی نظر ہی میں اسے معلوم ہو گیا کہ کانسٹیبل جھوٹ بول رہا ہے۔ کیونکہ دروازے کے اوپری حصے پر لگے ہوئے شفاف شیشے روشنی کے وجود سے خالی تھے۔ کمرا نمبر دس یقیناً تاریک تھا۔

اس نے ایک ہی لمحے میں کوئی فیصلہ کر لیا۔ وہ بے پروائی سے جماہی لے کر مڑی اور سست قدموں سے چلتی ہوئی ہوٹل سے نکل آئی۔ باہر آ کر اس نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا اور ہوٹل کی عمارت کے گرد چکر لگاتی ہوئی اس سمت پہنچ گئی۔ جہاں کمرا نمبر دس کا عقبی دروازہ کھلتا تھا۔ اس نے مڑ کر دائیں طرف نظر ڈالی تو تھوڑی دور سنسان سڑک پر ایک کار کھڑی نظر آئی۔ فیروزہ کو یہ پہچاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ وہ پولیس کار ہے جو انسپکٹر پریم کے استعمال میں رہتی ہے۔ احتیاط کے ساتھ اس نے اپنی غلاف پوش ٹارچ نکال کر کار میں روشنی ڈالی اور اس کے لبوں سے ایک حیرت آمیز چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کار میں انسپکٹر پریم بندھا ہوا بے ہوش پڑا تھا۔

فیروزہ مڑی ہی تھی کہ اچانک کمرا نمبر دس کا عقبی دروازہ کھلا اور تین آدمی باہر نکلے۔ ان میں سے دو آدمیوں نے کسی بے ہوش شخص کو اٹھا رکھا تھا۔ فیروزہ کے ذہن میں اب پوری صورت حال واضح ہو چکی تھی۔ وہ جلدی سے کار کی آڑ میں جھکی جھکی سڑک سے دور ہٹ گئی اور درختوں کے تاریک سایوں میں چلتی ہوئی اپنی کار تک پہنچ گئی۔ پھر وہ کار کو بیک کر کے ہوٹل کے عقبی حصے کی تنگ سڑک پر لے آئی تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے اپنی کار کو تنگ سڑک کی چوڑائی میں اس طرح آر پار روک دیا کہ سڑک مسدود ہو گئی۔

ٹھیک اسی وقت مقابل سمت سے موڑ پر ایک کار گھومی اور آگے راستہ بند پا کر رک گئی۔ سڑک کے دونوں طرف خار دار تار اور اس کے بعد گھنی جھاڑیاں تھیں۔ اس کی گنجائش بالکل نہ

تھی کہ دوسری کار کسی طرف سے گزر جائے۔
اس اثناء میں فیروزہ اپنی گاڑی سے اتر کر اس کی آڑ میں ہو چکی تھی اور اب اس کے ہاتھ میں ایک خطرناک اور یہ چھوٹا سا ریوالور تھا۔ فیروزہ نے پہچان لیا۔ یہ وہی پولیس کار تھی جس میں پریم بے ہوش پڑا تھا۔
اس کار سے ہارن بجانے کی بجائے کسی نے بلند آواز سے کہا۔ ''معلوم نہیں کس احمق نے اس بے تکے انداز میں گاڑی کھڑی کر دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کار کی روشنیاں بجھ گئیں اور دو آدمی اتر کر فیروزہ کی کار کی طرف بڑھے۔
اسی وقت فیروزہ کا خاموش ریوالور شعلے اگلنے لگا۔ تین چار گولیاں سنسناتی ہوئی ان دونوں آدمیوں کے قریب سے گزریں۔ اسی وقت ایک گولی پولیس کار کے ٹائر پر پڑی اور وہ بلند آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔
آگے بڑھنے والے دو آدمی تیزی سے پلٹ کر پولیس کار کی آڑ میں ہو گئے اور بیک وقت تین گولیاں فیروزہ کی کار سے آ کر ٹکرائیں۔ ان کی طرف سے بھی سائلنسر لگے ریوالور استعمال ہوئے تھے۔ فیروزہ نے ان فائروں کا کوئی جواب نہیں دیا۔
تھوڑی دیر بعد اپنے دو ساتھیوں کے ریوالوروں کے زیر سایہ تیسرے شخص نے فیروزہ کی کار کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن فیروزہ نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنی کار کے مختلف گوشوں سے اس طرح تڑاتڑ فائر کیے کہ بظاہر یہ معلوم ہو جیسے اس کی کار کے پیچھے کئی افراد پوشیدہ ہوں۔ وہ جانتی تھی کہ اگر دشمنوں کو احساس ہو گیا کہ وہ تنہا ہے تو کئی طرف سے حملہ کر کے اس کو مغلوب کر لیں گے لیکن اس کا یہ خدشہ بے کار ثابت ہوا۔
وہ مسلسل پندرہ منٹ تک انتظار کرتی رہی لیکن پولیس کار کی طرف سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فیروزہ کی چلائی ہوئی گولیاں ان تینوں کو چاٹ گئی ہوں۔ مزید دس منٹ انتظار کے بعد فیروزہ اپنی کار کے عقب سے نکلی اور دبے قدموں چلتی پولیس کار تک پہنچی لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کار کے اندر ڈالی اور ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ کار میں انسپکٹر پریم اور شہاب بے ہوش پڑے تھے۔
اچانک فیروزہ کو اپنے پیچھے ایک بھاری گاڑی کی گڑگڑاہٹ اور روشنی محسوس ہوئی پھر چند لمحوں بعد وہ گاڑی فیروزہ کے قریب آ کر رک گئی۔ ''مس فیروزہ آپ؟'' ایک بھاری آواز نے اس گاڑی میں سے پکار کر کہا۔
فیروزہ نے یہ دیکھ کر اطمینان کی سانس لی کہ یہ گاڑی پولیس پیٹرول کی تھی اور اسے مخاطب کرنے والا شخص انسپکٹر من موہن تھا۔ وہ گاڑی سے کود کر فیروزہ کے قریب پہنچ گیا۔

☆☆

ٹیلی فون کی گھنٹی نے اچانک گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ نجمی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو کون صاحب بول رہے ہیں؟''
''تمہاری موت۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''پرسوں رات تمہیں ہلاک نہیں کیا گیا۔ صرف خبردار کرنا مقصود تھا لیکن اس مرتبہ تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا اگر تم اس ظالم باپ کو بچانے کے خبط سے دست بردار نہ ہوئے جو اپنے بیٹے کا خون چوس رہا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔
نجمی نے ٹیلی فون پر جو کچھ سنا تھا' وہ سب کے سامنے دہراتا ہوا بولا۔ ''اب معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔ میرے خیال میں اگر ارمان کو فوراً ہی گرفتار نہ کیا گیا تو ہم میں سے کوئی جلد ہی بے ٹکٹ خدا گنج سدھار جائے گا۔''
''بالکل یقینی بات ہے کہ یہ ٹیلی فون پر دھمکی اور پرسوں رات ہم پر حملہ دونوں ہی ارمان کی حرکت ہیں۔'' انسپکٹر پریم بولا۔ ''اس نے پہلے آپ کا نام لے کر مجھے ہوٹل میں بلایا اور پھر آپ کو میرا نام لے کر بہکایا۔ میرا خیال ہے کہ اگر مس فیروزہ بروقت ذہانت اور بہادری کا مظاہرہ نہ کرتیں تو وہ بدمعاش ارمان ہمیں مار ہی ڈالتا۔ وہ سفید گلاب والے واقعے سے خوف زدہ ہو گیا تھا اور چند ہی منٹ میں اس نے ہم دونوں کو پھانس کر ختم کر ڈالنے کا منصوبہ بنا ڈالا۔ ظاہر ہے کہ سر عمران کی کھڑکی سے خون آلود تیر پھینکنے والا شخص ارمان کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ سفید گلاب اور دراز قامت دونوں باتیں ارمان پر چسپاں ہوتی ہیں۔''
''نتائج پر کودنے کی کوشش نہ کیجیے مسٹر پریم۔'' شہاب نے آنکھیں بند کر کے کہا۔
''بھیا پریم! تم ان فلاسفر صاحب کے لیے جہنم کا پاسپورٹ بنوا ہی ڈالو۔'' نجمی تنک کر بولا۔ ''یہ ہم سب کو مرحوم کیے بغیر جانے والے نہیں۔''
ٹیلی فون کی گھنٹی نے ایک بار پھر سب کو چونکا دیا۔
''لیجیے وہ موت صاحبہ پھر تشریف لے آئیں۔'' نجمی بولا۔
اس مرتبہ ریسیور شہاب نے اٹھایا تھا۔
''جی ہاں میں شہاب بول رہا ہوں۔'' اس نے ریسیور میں کہا۔ ''اوہ آپ ہیں آداب عرض ہے۔ ہاں ہاں فرمایئے انسپکٹر پریم میرے پاس ہی موجود ہیں۔ کیا فرمایا چوری؟ کیا آپ

کے بینک میں؟'' اس کے بعد کچھ دیر تک دوسری طرف سے سنتے رہنے کے بعد بولا۔ ''حیرت ہے' جی نہیں' میں ناراض ہونے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ میرے اس دن کے الفاظ ایک وقتی جوش اور جذبے کا اظہار تھے۔ نہیں شکریے کی کوئی بات نہیں۔ جی ہاں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' یہ کہہ کر شہاب نے ریسیور رکھ دیا اور حیرت زدہ پریم کو مخاطب کر کے کہا۔ ''گزشتہ رات ہلال بینک میں زبردست چوری ہوگئی۔ فی الحال نقصان کا اندازہ کئی کروڑ روپے ہے۔''

سب کے لبوں پر حیرت نے سکوت کی مہر لگا دی۔ کیا بوڑھے کروڑ پتی کی موت سے مایوس ہو کر اب اسی مجرم نے بینک پر ہاتھ صاف کر دیا تھا؟'' انسپکٹر پریم نے سگریٹ سلگائی اور چند کش لے کر بولا۔

''کیا اب بھی آپ کو ارمان کے مجرم ہونے میں شک و شبہ ہے مسٹر شہاب؟''

''مجھے یقین ہے' مسٹر پریم کہ مجرم اتنا احمق نہیں جتنا آپ زبردستی اسے سمجھ رہے ہیں۔'' شہاب نے کہا۔ ''خیر چھوڑیئے اس تذکرے کو سر عمران اپنے بینک کی بدنامی اور کاروباری مصلحت کے مدنظر فی الحال اس چوری کو راز رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں تنہا ہی وہاں جا رہا ہوں۔''

''لیکن فیروزہ کو ضرور ساتھ لیتے جائیے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔'' نجمی بولا۔

دس منٹ بعد جب شہاب' عمران منزل پہنچا تو عمران اپنی لائبریری میں اس کا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور پریشانی کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے شہاب کو دیکھتے ہی وہ گلوگرفتہ لہجے میں بولا۔ ''یہ زبردست تباہی ہے میرے لیے۔ تقریباً چار کروڑ روپے کے ہیرے جواہرات غائب ہیں۔''

''میں آپ کے درد کو سمجھ رہا ہوں سر عمران۔'' شہاب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس وقت حواس قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ براہ کرم مجھے سکون سے تفصیل بتائیں۔''

عمران دو منٹ تک خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا وہ اچانک بہت بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔ آخر وہ بولا۔ ''ہلال بینک کا سیف روم ہندوستان کا سب سے زیادہ محفوظ سیف روم ہے مسٹر شہاب نہ صرف یہ کہ اس کی دیواریں چھت اور فرش چھ انچ موٹی فولاد کی چادر سے محفوظ ہیں بلکہ یہ بھی کہ اس کے آہنی دروازے کا ہندسی قفل کسی کنجی سے نہیں کھلتا۔ دروازے پر متعدد ہندسے تحریر ہیں۔ ان ہندسوں میں سے کچھ کو ایک مخصوص ترتیب سے دبانے سے ہی قفل کھل سکتا ہے۔ قفل کے ہندسوں کی یہ ترتیب بہت پیچیدہ ہے۔ اس کو زبانی یاد رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ ہفتے کے ہر نئے دن ہندسوں کی ترتیب بدل جاتی ہے اور قفل ہر روز نئے طریقے سے ہی کھلتا ہے۔ قفل کا یہ راز صرف تین لوگوں کو معلوم رہا ہے۔ ایک تو میں خود' دوسرا ارمان اور تیسرا بینک کا بوڑھا منیجر رحمت جو بلا شک و شبہ مکمل طور پر دیانت دار ہے۔ سیف روم کی ان خصوصیات کی وجہ سے اکثر لوگ اپنی قیمتی اشیاء بطور حفاظت و امانت اس میں رکھوا دیتے ہیں۔ کل کی تاریخ کے اندراجات سے ظاہر ہے کہ شام چار بجے جب بینک بند کیا گیا تو سیف روم میں دوسرے سامان کے علاوہ تقریباً چار کروڑ روپے کے ہیرے جواہرات موجود تھے۔ جن لوگوں کی یہ امانتیں تھیں ان میں ایشیا کے کئی بادشاہ اور شہزادے بھی شامل ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بینک کی کتنی ساکھ ہے اور اس کے حفاظتی انتظام پر لوگوں کو کس قدر اعتماد ہے۔ لیکن ابھی ایک گھنٹہ قبل جب بینک کھلا اور سیف روم کو کھولنے کی ضرورت پڑی تو معلوم ہوا کہ اگرچہ دروازہ بدستور مقفل تھا۔ لیکن اندر سے تمام جواہرات غائب تھے۔ خوش قسمتی سے یہ بات صرف ارمان اور رحمت نے ہی دریافت کی ہے' ابھی تک بینک میں کسی اور کو نہیں معلوم ہوسکا ہے کہ بینک دیوالیہ ہو چکا ہے۔ میں آپ سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ بینک کے اندر تفتیش اس طرح کی جائے کہ کسی کو شک و شبہ نہ ہو سکے۔''

''اس صورت میں تو بینک کے کسی ملازم سے کوئی بھی سوال کرنا خطرے سے خالی نہیں۔'' شہاب بولا۔

''بے شک۔'' عمران نے کہا۔ ''لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ سب لوگوں میں گھل مل کر اس طرح اپنے سوالات کے جواب حاصل کر لیتے ہیں کہ کسی کو ذرا سا بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ چوری کسی بیرونی آدمی کی کارروائی ہے۔ کیونکہ چوری کی اطلاع ملنے پر جب میں نے بینک میں جا کر ادھر ادھر دیکھا تو سیف روم کی پشت پر دوسری منزل کی ایک کھڑکی کی بیرونی کارنس پر کچھ ایسے نشانات نظر آئے جیسے کسی نے کوئی آہنی ہک وہاں اٹکا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی ہو۔ غالباً چور اسی راستے سے بینک کی عمارت میں داخل ہوئے۔''

''لیکن سیف روم کا طلسمی قفل کیسے کھولا گیا؟ یہ کام تو بغیر اندرونی سازش کے ممکن نظر نہیں آتا لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ مسٹر ارمان اور رحمت پر کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔'' شہاب نے عمران کی دکھتی رگ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''بالکل...... قطعی۔'' عمران عجلت سے بولا۔ ''ارمان اور رحمت پر شبہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

شہاب تقریباً نصف گھنٹے تک وہاں اور ٹھہرا۔ اس اثناء میں اس نے ارمان اور رحمت کو بلا کر گفتگو کی لیکن ان دونوں کے جوابات سے بھی معاملے کی نوعیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوسکی۔ اس کے بعد شہاب نے عمران کے ساتھ جا کر بینک کی پوری عمارت میں چکر لگایا اور خاص طور پر بالائی منزل کی اس کھڑکی کا معائنہ کیا جس پر خراشوں کے تازہ نشانات موجود تھے۔

واپس آ کر شہاب نے نجمی، فیروزہ اور انسپکٹر پریم کے سامنے تمام صورت حال کی وضاحت کی اور پریم سے کہا۔ ''آپ کو ایک اہم کام کرنا ہے مسٹر پریم، یہ ظاہر ہے کہ بینک سے جو ہیرے جواہرات چرائے گئے ہیں ان کو آسانی سے ہر جگہ فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا آپ اپنے ذرائع سے تمام بڑے جوہریوں کو مطلع کرادیں کہ اگر اس طرح کی قیمتی چیزیں ان کے پاس برائے فروخت لائی جائیں تو ان کو کیا کرنا ہوگا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہلال بینک میں چوری ہوئی ہے۔''

''بہت بہتر۔'' انسپکٹر پریم نے اٹھتے ہوئے کہا لیکن اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ شہاب کی اس تگ ودو میں دلچسپی محسوس نہیں کر رہا ہے۔

انسپکٹر پریم کے جانے کے بعد شہاب نے نجمی سے کہا۔ ''بہتر ہوگا کہ اب تم بھی اس جنگ میں شامل ہو جاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسی وقت سے ارمان کے پیچھے سائے کی طرح لگ جاؤ اور اس وقت تک اس کی نگرانی کرتے رہو جب تک میں تمہیں واپس آنے کی ہدایت نہ دوں۔ اس مقصد کے لیے تم اپنی شکل وصورت میں مناسب تبدیلی بھی کر سکتے ہو۔''

''لیکن فرض کرو کہ میں تمہاری ہدایت نہ مانوں تب......؟''

''اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم اس کام کے لیے بالکل تیار ہو۔''

''بھئی واہ یعنی کہ میں صاف انکار کر رہا ہوں اور آپ ہیں کہ......''

''بکواس کی ضرورت نہیں۔'' شہاب نے حکم ناطق دیا۔

''یہ تو گویا زبردستی ہوگئی جناب۔'' نجمی اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نگرانی سے فائدہ ہی کیا ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ صاحبزادے جناب ارمان جتنے لمبے تڑنگے زمین کے اوپر ہیں اتنے ہی زمین دوز بھی ہیں۔''

''اپنا ریوالور ساتھ لینا نہ بھولنا۔'' شہاب نے دروازے میں سے مڑ کر کہا۔

☆☆

شہلا نے اپنے فلیٹ کے دروازے کی گھنٹی بجنے کی آواز سنی تو اس نے سوچا کہ اس طرف توجہ ہی نہ دے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ملاقات کے لیے آنے والا شخص کون ہوسکتا ہے لیکن دوبارہ غور کرنے پر اس نے دروازہ کھولنا مناسب ہی سمجھا۔ اس کا قیاس درست ثابت ہوا۔ گھنٹی بجانے والا شخص ارمان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ ارمان کو دیکھتے ہی اس کے لبوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے بڑی محبت سے بولی۔ ''یہ آج سرشام ہی کیسے آگئے ڈارلنگ؟''

لیکن ارمان کا چہرہ پتھر کی طرح جذبات سے خالی تھا۔

''بہت ناراض نظر آتے ہو آج۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہے؟''

''بات جو کچھ ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔'' ارمان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کون سی بات؟''

''چوری۔''

''چوری؟'' شہلا نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا مطلب؟''

''ہلال بینک میں کروڑوں روپے کے جواہرات کی چوری۔''

''اف کیا واقعی؟ لیکن کب؟ کیسے؟'' شہلا نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''اب اس اداکاری سے کام نہیں چلے گا شہلا۔'' ارمان بولا۔ ''میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ تم نے میرے ساتھ محبت کا ڈراما کیوں کھیلا تھا۔ تم درحقیقت مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ میری حماقت تھی کہ تمہیں ایک شریف لڑکی سمجھ کر اپنے باپ کی پرائیویٹ سیکریٹری کی جگہ دلوادی۔ یاد ہے تمہیں پرسوں رات اسی کمرے میں جب تم نے مجھے قہوہ بنا کر دیا تھا تو میں نے کہا تھا کہ اس کا ذائقہ کچھ اچھا نہیں تو تم برا مان گئی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ قہوہ پی کر کچھ دیر کے لیے مجھ پر غنودگی سی طاری ہوگئی تھی اور آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس قہوے میں بے ہوشی کی کوئی دوا ملائی گئی تھی۔'' ارمان نے کہا۔

''ارمان......'' شہلا برہمی سے بولی۔ ''اگر میرے دل میں تمہاری محبت نہ ہوتی تو میں اسی وقت تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں اپنے گھر سے نکال دیتی۔ جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟ تم ایک شریف لڑکی پر الزام لگا رہے ہو کہ تمہیں نشہ آور قہوہ پلایا لیکن

ایسی گھٹیا حرکت سے میرا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ کیا تمہاری جیب سے رقم غائب ہو گئی ہے؟''

''نہیں کوئی چیز غائب نہیں ہوئی سوائے ایک راز کے۔''

''راز؟''

''ہاں وہ راز جس کی قیمت کروڑوں روپے تھی۔ تمہیں معلوم تھا کہ میری جیب میں وہ نوٹ بک موجود ہے جس میں بینک کے سیف روم کا قفل کھولنے کا پراسرار طریقہ درج ہے۔ ان چند منٹوں میں جب کہ میں قہوے کے زیر اثر نیم بے ہوش تھا۔ تم نے میری جیب سے نوٹ بک نکال کر اس میں سے قفل کھولنے کا طریقہ نقل کر لیا اور نوٹ بک واپس میری جیب میں رکھ دی۔ مجھے تم پر شبہ ہوا مگر اس وقت جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ قفل توڑنے کی بجائے کھولا گیا ہے تو میں سمجھ گیا کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا۔''

''تم...... تم اپنے ہوش میں نہیں ہو ارمان۔'' شہلا نے برہمی سے کہا۔ ''تم اپنے جرم کا گند البادہ مجھ پر ڈال دینا چاہتے ہو۔ تم مجھے محبت کا دھوکا دے کر میرے جذبات سے کھیلتے رہے لیکن اب شاید تمہارا دل بھر چکا ہے لیکن یاد رکھو بینک کی چوری کا الزام زیادہ خوب صورتی سے تم پر چسپاں ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے خود چوری کرائی ہو اور اب اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے مجھے قربانی کا بکرا بنا رہے ہو؟ اور اب تو مجھے لوگوں کے خیالات میں صداقت محسوس ہوتی ہے کہ سر عمران کے جسم میں زہر پہنچانے والا ہاتھ تمہارا ہی تھا۔ ادھر سے مایوس ہو کر اب تم نے چوری کا یہ نیا ڈراما کھیلا ہے۔''

''خاموش رہو۔'' ارمان نے کانپتے ہوئے کہا۔

''ہرگز نہیں۔'' شہلا نے غیظ میں جواب دیا۔ ''تمہیں سننا پڑے گا اور اگر نہیں سننا چاہتے تو یہاں سے نکل جاؤ۔ آخر تم یہاں آئے ہی کیوں؟ اگر تمہیں یقین تھا کہ میں نے تمہارا راز چرا کر چوری کرائی ہے تو تم نے فوراً یہ بات سر عمران کو کیوں نہیں بتا دی؟ پولیس سے کیوں نہیں رابطہ قائم کیا؟''

''اس لیے کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔''

''ثبوت نہیں لیکن پھر بھی تم ایک شریف خاتون پر شرمناک الزام لگا رہے ہو۔'' شہلا نے زہر خند سے کہا۔ ''اصل بات یہ ہے کہ تم خود مجرم ہو۔ اس لیے تمہیں سر عمران کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کیا تم مجھ پر صرف اس لیے الزام لگا رہے ہو کہ مجھ سے کیے ہوئے شادی کے وعدوں سے پھرنا چاہتے ہو؟ جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ۔''

ارمان چند لمحوں تک خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''بہتر ہے میں جا رہا ہوں شہلا لیکن یاد رکھو میں تمہاری اس اداکاری سے فریب میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ تم ایک مجرمہ اور اوباش عورت ہو۔'' اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''اور اگر میرے سینے میں تمہاری محبت نے گھر نہ کیا ہوتا تو آج میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دیتا۔ خدا حافظ!''

شہلا نے ایک غیظ آلود قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''میری نہیں تم اپنی فکر کرو مسٹر ارمان۔''

ارمان نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے سے نکل گیا۔ کچھ دور جا کر وہ پھر واپس آ کر شہلا کے فلیٹ کے سامنے ایک چائے خانے میں داخل ہو گیا۔ چاروں طرف نظریں ڈال کر اس نے ایک میز منتخب کی اور چائے کا آرڈر دے دیا۔ اس کی نظریں شہلا کے فلیٹ کے دروازے پر مرکوز تھیں۔ وہ منتظر تھا کہ شہلا کب اپنے فلیٹ سے باہر آتی ہے۔

اسے ذرا بھی گمان نہ تھا کہ چائے خانے کے دوسرے گوشے میں ایک عیسائی پادری کے روپ میں نجمی بھی موجود ہے جو خود اس کی نگرانی کر رہا ہے۔

مسلسل دو تین گھنٹے انتظار کے بعد بھی جب شہلا اپنے فلیٹ سے باہر نہ نکلی تو ارمان ایک بار پھر اس کے دروازے پر پہنچا۔ دروازے کو دبا کر دیکھا تو اندر سے بند تھا۔ چند لمحوں تک اس نے دروازے سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی اور پھر کسی فوری خیال کے تحت دروازے کی گھنٹی کا بٹن دبا دیا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ جھنجلا کر اس نے دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔ جب اس پر بھی اندر سے کسی نے کوئی حرکت نہ کی تو اسے یقین ہو گیا کہ اندر کوئی نہیں ہے۔

''لیکن شہلا کہاں گئی؟'' ارمان کو معلوم تھا کہ فلیٹ کا کوئی اور دروازہ نہیں ہے۔ اچانک کسی خیال کے تحت وہ تیزی سے فلیٹ کی پشت کی طرف بڑھا۔ یہ حصہ ایک گندی گلی میں تھا اور اس طرف شہلا کے فلیٹ کے باورچی خانے کی کھڑکی تھی جس پر باریک جالی لگی ہوئی تھی جیسے ہی ارمان اس کھڑکی کے قریب پہنچا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ کھڑکی کی جالی ایک طرف کٹی پڑی تھی۔

نجمی نے ارمان کی پشت کی طرف سے دور سے یہ منظر دیکھا اور تیزی سے پلٹ کر پھر شاہراہ پر آ گیا۔ اس کے دو منٹ بعد ارمان گلی سے برآمد ہوا اور چائے خانے کے قریب سے ایک ٹیکسی لے کر عمران منزل کی طرف چل دیا۔ نجمی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

☆☆

شہاب بڑی گہری نظر سے ارمان کی ایک ایک حرکت کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس نے کسی تمہید کے بغیر ہی اپنی اور شہلا کی اس گفتگو کا پورا حال شہاب کو سنا ڈالا تھا جو دو روز پیشتر فلیٹ

میں ہوئی تھی۔ شہاب بظاہر آنکھیں بند کیے سکون سے یہ سب کچھ سن رہا تھا لیکن دراصل اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ ارمان کے اس بیان سے یہ پورا ڈراما اس قدر پیچیدہ ہو گیا تھا کہ کوئی ایک نظریہ بھی ان تمام واقعات پر چسپاں نہیں ہوتا تھا۔

ارمان اپنی داستان سنا کر خاموش ہو گیا تو شہاب نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ ''کیا آپ کو پختہ یقین ہے کہ سیف روم کا قفل کھولنے کا طریقہ شہلا نے آپ کو فریب دے کر معلوم کر لیا تھا؟''

''قطعی، مکمل یقین ہے، مسٹر شہاب لیکن میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔'' ارمان نے مایوسی سے کہا۔ ''میں تہیہ کر چکا تھا کہ شہلا کو ڈھونڈ کر اس کے جرم کا ثبوت فراہم کر کے رہوں گا لیکن جیسا کہ آپ کو کل کے اخبارات سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ والد صاحب کی دماغی حالت کی وجہ سے میں بدحواس ہو گیا۔ بینک میں چوری کے صدمے نے ان کے دماغ کو بری طرح متاثر کیا ہے پھر چونکہ اس واقعے کو راز رکھنا ضروری ہے اس لیے والد صاحب کو اس صدمے کے اظہار سے اجتناب کر کے نہایت ہی صبر وضبط سے کام لینا پڑا ہے۔ پرسوں ہی سے وہ کھوئے کھوئے تھے پھر اچانک کل صبح کچھ دنوں کے لیے سیر و سیاحت کا ارادہ کر بیٹھے۔ میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال ایک مختصر سی تفریح ان کے ذہنی توازن کے لیے مفید ثابت ہو گی۔ اس لیے میں نے ان کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ چنانچہ کل وہ یہاں سے میسور روانہ ہو گئے۔ مجھے بھی آج کلکتہ جانا ہے اور اس جگہ کچھ مدت تک قیام کرنا ہے۔ کیونکہ ہلال بینک کا اگر کچھ سرمایہ باقی ہے تو وہ بینک کی کلکتہ والی شاخ ہی میں ہے اور والد صاحب چلتے چلتے مجھے فوراً وہاں جا کر انتظامات سنبھالنے کا حکم دے گئے ہیں۔ ان حالات میں شہلا کی تلاش کا میرے لیے کوئی امکان ہی نہیں رہا۔''

''کیا شہلا کا کوئی تعلق آپ کے پرانے دوست رستم سے بھی رہا ہے؟'' شہاب نے ارمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''جہاں تک مجھے علم ہے وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔''

''کیا آپ اب بھی مجھے یہ بتانے پر تیار نہیں کہ رستم آپ کے کون سے راز کو افشا کرنے کی دھمکی دے کر آپ سے رقمیں وصول کر رہا تھا؟''

حیرت اور پریشانی سے ارمان بدحواس سا ہو گیا لیکن پھر سنبھل کر بولا۔ ''کاش میں آپ کو سب کچھ بتا سکتا۔''

''پھر آپ بتا کیوں نہیں دیتے، مسٹر ارمان؟'' نجمی نے پوچھا۔

''اب تو والد صاحب کے ذہنی صدمے کے پیش نظر اس کا اظہار اور بھی دشوار ہو گیا ہے۔'' ارمان نے مردہ آواز میں کہا۔

''شکریہ۔'' شہاب چونک کر بولا۔ ''آپ کے یہ الفاظ میرے لیے کافی ہیں اگر میں یہ کہوں کہ آپ کا وہ راز آپ کی جوانی کی رنگین غلطی ہے، کیا اس غلطی کا تعلق شہلا سے ہے؟''

''جی......جی نہیں۔''

شہاب اب اپنی پشت پر ہاتھ باندھے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اسی عالم میں اس نے ارمان سے پوچھا۔ ''کیا آپ اب بھی رستم کو رقم ادا کر رہے ہیں؟''

''میں مجبور ہوں مسٹر شہاب۔''

''تو آپ کو علم ہو گا کہ رستم کہاں ہے؟''

''جی نہیں۔''

''تو پھر آپ رقم کیونکر ادا کرتے ہیں؟'' نجمی نے پوچھا۔

''اپنی تصدیق دے کر رستم ایک اجنبی شخص کو ہر ماہ میرے دفتر میں بھیج دیتا ہے اور وہ شخص رقم لے جاتا ہے۔'' ارمان بولا۔ ''میں چاہوں تو اس شخص کو گرفتار کرا سکتا ہوں لیکن رستم اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اس کو یا اس کے کسی آدمی کو گرفتار کرانے کی جرات نہیں کر سکتا۔''

''بڑی قابل رحم حالت ہے آپ کی۔'' شہاب بولا۔ ''سر عمران اپنے سفر سے کب واپس آئیں گے؟''

''یہ کہنا مشکل ہے۔'' ارمان نے جواب دیا۔ ''لیکن مجھ سے وہ ایک ہفتے بعد آنے کو کہہ گئے ہیں اور ہدایت کر گئے تھے کہ آپ کو مطلع کر دوں۔''

''سفید گلاب کے متعلق بھی آپ کا ذوق عجیب ہے۔'' اچانک شہاب نے رک کر کہا۔

''سفید گلاب، میں سمجھا نہیں۔''

''میرا مطلب ہے آپ کو سرخ اور تیز مہک والا گلاب نہ جانے کیوں پسند نہیں۔''

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

شہاب نے ایک بھرپور نظر ارمان کے چہرے پر ڈالی اور کہا۔ ''یہ راز مجھے اس سرخ تیر نے بتایا ہے جو شہلا نے سر عمران کے کمرے میں پھینکا تھا۔'' اس کے بعد شہاب نے سرخ تیر والا واقعہ کہہ ڈالا اور بولا۔ ''سرخ تیر پر خون لگا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن میں نے اپنی تجربہ گاہ میں آسانی سے معلوم کر لیا کہ وہ خون نہیں بلکہ لپ اسٹک کی سرخی تھی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ تیر پھینکنے کے لیے کوئی عورت ہی کھڑکی کے پاس آئی تھی۔ پھر وہ

گھبراہٹ میں کھڑکی کے پاس ایک سفید گلاب بھی گرا گئی تھی لیکن سفید اور بے خوشبو گلاب آپ کی پسند کا پھول ہے۔ پولیس تو اس سے یہی نتیجہ اخذ کرتی کہ تیر پھینکنے والے آپ ہی تھے لیکن لپ اسٹک کی مدد سے میں نے معلوم کر لیا کہ وہ عمران منزل سے تعلق رکھنے والی کوئی ایسی عورت ہونی چاہیے جس کو آپ اپنا پسندیدہ گلاب بطور تحفہ پیش کرتے ہوں۔ اس مکان میں دو ہی عورتیں تھیں ایک آپ کی سوتیلی دیوانی ماں اور دوسری شہلا اور ان دونوں میں شہلا ہی پر یہ حالات چسپاں ہوتے ہیں۔''

ارمان نمایاں طور پر مبہوت نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخر کار ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''کاش آپ نے اسی دن یہ بات مجھے بتا دی ہوتی۔ ایسا ہوتا تو شاید شہلا مجھے دھوکا دے کر بینک کے قفل کا راز معلوم نہ کر سکتی۔''

''لیکن بینک کی چوری کو روکنا شاید پھر بھی ممکن نہ ہوتا۔'' شہاب نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''اگر میرا نظریہ غلط نہیں تو چوری بہرحال ہو کر ہی رہتی۔''

''کیوں؟'' ارمان نے پوچھا۔

''اس لیے کہ چور کو قفل کا راز پہلے ہی معلوم تھا۔'' نجمی بیچ میں بول اٹھا۔

شہاب نے ایک تیز نظر نجمی پر ڈالی اور ارمان سے مخاطب ہوا۔ ''نجمی صاحب کی شاعری پر نہ جائیے یہ تو ہر حسین لڑکی کو بے گناہ سمجھنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر حسین لڑکی ان کو عقل سے خالی سمجھتی ہے۔''

''لہٰذا آپ بھی شہاب نہیں بلکہ ایک مردانہ قسم کی لڑکی ہیں کیونکہ آپ بھی مجھ حقیر کو عقل سے خالی سمجھتے ہیں۔'' نجمی بولا۔

''انتہائی دلچسپ شخصیت ہیں آپ۔'' ارمان نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن بہت ہی منحوس ساعت کی پیداوار ہوں میرا قدر دان بڑی جلدی یا تو اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے یا پولیس کو۔''

شہاب نے ایک قہقہہ لگایا اور ارمان نے اس کی تقلید کی۔ شہلا کی پراسرار گمشدگی کے متعلق شہاب سے کچھ اور گفتگو کرنے اور اس سے بینک کی چوری کے متعلق خصوصی کوشش کی درخواست کرنے کے بعد ارمان رخصت ہو گیا تو شہاب نے نجمی سے کہا۔ ''انتہائی گدھے واقع ہوئے ہو تم۔''

''جی نہیں میں تو گدھے صاحب کی محض دُم ہوں۔''

''اچھا بند کرو اس بکواس کو چلو جلدی سے سفر کی تیاری کرو۔'' شہاب بولا۔ ''مجھے آج رات ہی ایک طویل سفر پر روانہ ہونا ہے اور تم کچھ فاصلے تک میرے ساتھ چلو گے اور پھر واپس آ جاؤ گے۔ آگے میں تنہا ہی جاؤں گا۔''

''اس ہیر پھیر کے معنی؟''

''معنی بہت ہی دلچسپ لیکن بے حد خطرناک ہو سکتے ہیں، دوست۔'' شہاب نے نجمی کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تم کو ایک مفلس اور بے روزگار شخص کے بھیس میں یہاں واپس آنا ہے اور ایک سفارشی خط کے ذریعے جو میں تمہیں دوں گا سر عمران کے ہاں ملازمت کرنی ہوگی۔''

''لیکن یہ کون سے گناہ کی سزا مجھے مل رہی ہے بابا؟'' نجمی حیرت سے بولا۔

''شہاب کے جاں نثار دوست ہونے کی۔'' شہاب نے ایک دم سنجیدگی سے کہا۔ ''عمران کی واپسی پر اگر تم دیکھو کہ اس کا دماغی توازن ٹھیک ہے تو تمہیں اس کی کوٹھی میں ملازمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن یاد رکھو تمہیں عمران سے کہیں زیادہ اپنی حفاظت کرنی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ میں تمہیں کس قدر زبردست خطرے میں ڈال رہا ہوں دوست اگر میرے نظریات میں کچھ صداقت ہے تو سمجھ لو کہ عمران سے پہلے تمہیں اپنی موت کا سامنا کرنا ہوگا کہو ہمت ہے تم میں؟''

''لعنت ہے تمہاری اس ہمدردی پر۔'' نجمی بولا۔ ''تمہارا بس چلے تو مجھے بالکل ہی گیدڑ بنا کر رکھ دو۔ آپ مہربانی فرما کر میری حفاظت کی طرف سے خود کو خواہ مخواہ پریشان نہ کرو۔ اطمینان رکھو نجمی کم از کم کنوارا رہنے تک تو مر نہیں سکتا۔ ہمیں تو خود ہماری بیگم صاحبہ ہی شہید فرما دیں تو اور بات ہے۔''

''شاباش۔'' شہاب اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا۔ ''لیکن بہادری کے ساتھ ساتھ چالاکی کی بھی ضرورت ہے اور......''

''دیکھو سلمہ! یہ نصائح بند کرو۔ نجمی لاکھ الو سہی لیکن پھر بھی ہزار کو الو بنا سکتا ہے۔''

شہاب محبت آمیز انداز میں مسکرایا اور بولا۔ ''فیروزہ یہاں ہر وقت موجود رہے گی۔ تم تمام اطلاعات اسے پہنچاتے رہو گے تاکہ وہ وقت ضرورت انسپکٹر پریم سے مدد لے سکے۔ میں خود بھی حتیٰ الامکان جلد واپس آ جاؤں گا اور پھر تمہیں آئندہ کے لیے ہدایات دوں گا۔ تم فی الحال دہلی تک میرے ساتھ چلو گے اور وہاں اس وقت تک رکے رہو گے۔ جب تک اخبارات میں عمران کے بمبئی واپس آ جانے کی اطلاع شائع نہ ہو۔ اچھا، اب اٹھو سامان سفر درست کر ڈالیں۔''

☆☆

دہلی میں قیامت کی سردی پڑ رہی تھی۔ نجمی اپنے شان دار ہوٹل کے گرم کمرے میں بیٹھا بڑی دلچسپی سے اس مصری رقاصہ کی حسین تصویر اور حالات زندگی کا مطالعہ تازہ اخبار میں

کر رہا تھا جو ایک ہفتے سے اپنے بے پناہ حسن و جمال اور رقاصانہ کمال سے سنسنی پھیلائے ہوئے تھی۔
نجمی کو دہلی میں ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ بمبئی سے فیروزہ کے ذریعے اسے برابر یہی اطلاع مل رہی تھی کہ عمران اب تک واپس نہیں آیا۔ اس لیے نجمی، شہاب کی ہدایت کے مطابق دہلی ہی میں رکا ہوا تھا اور اپنی تنہا اور بے عمل زندگی سے بیزار ہو چکا تھا۔
شہاب اپنے پراسرار سفر پر روانہ ہو چکا تھا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ دہلی میں صرف چیف انسپکٹر ارجن ہی واحد شخص تھا جسے یہ معلوم تھا کہ بڑی بڑی مونچھوں اور جارج کٹ داڑھی والا یہ شکاری وضع کا شخص نجمی ہے۔ کیونکہ روانہ ہونے سے پیشتر شہاب نے اپنے پرانے دوست ارجن سے نجمی کا تفصیلی تعارف کرا دیا تھا اور نجمی اکثر دل بہلانے کے لیے ارجن کے پاس چلا جایا کرتا تھا۔
معلوم ہوتا ہے وقت کاٹنے کے لیے اب عشق کرنا ہی پڑے گا۔ نجمی نے اخبار میں مصری رقاصہ احمرہ کی تصویر دیکھتے ہوئے سوچا۔ پھر اخبار رکھ کر اس نے بارہواں سگریٹ سلگایا اور بند کھڑکی کے شیشے میں سے نیچے شاندار بازار کو دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ ایک نقطے پر جم کر رہ گئی۔
بازار میں ایک جوہری کی دکان کے سامنے ارمان کھڑا ہوا تھا۔
یہاں دہلی میں ارمان کیا کر رہا ہے؟ اسے تو کلکتہ میں ہونا چاہیے تھا۔ کیا سر عمران بھی دہلی میں موجود ہیں؟ نجمی نے سوچا پھر ایک لمحے میں اس نے ارمان کے تعاقب کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے تیزی سے میز کی دراز سے اپنا پرس اور ریوالور نکال لیا اور کمرا مقفل کر کے ہوٹل سے نکل آیا۔
ارمان جوہری کی دکان میں موجود تھا۔ نجمی اس کے برابر جا کھڑا ہوا۔ ارمان نے دکان دار سے چند قیمتی زیورات، شادی کے تحفے کے لیے طلب کیے اور جب جوہری نے خود اٹھ کر بہت سے قیمتی زیورات پیش کر دیئے تو ارمان کے ساتھ ساتھ نجمی بھی ان کو بظاہر انتخاب کے لیے دیکھنے لگا۔ ارمان نے دو ہزار روپے کی ایک نازک سی گھڑی پسند کی اپنے اصلی نام سے رسید بنوائی اور مسکراتا ہوا دکان سے نکل گیا۔ نجمی بھی جوہری سے معذرت کر کے باہر آ گیا۔
ٹرام سے کچھ دور سفر کرنے کے بعد ارمان ایک جگہ اترا اور تھوڑی دور تک پیدل چلنے کے بعد وہ ایک ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ نجمی اس کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر جا کر ارمان کے کمرے کا نمبر معلوم کیا اور پتا چلا لیا کہ وہ ایک ہفتے سے یہاں مقیم ہے اور تنہا ہے۔ عمران نام کا کوئی شخص ہوٹل میں موجود نہ تھا۔ لیکن شادی کے اس تحفے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ارمان نے اپنے باپ سے چھپ کر شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''
انہی خیالات کی ادھیڑبن میں نجمی سیدھا چیف انسپکٹر ارجن کے پاس پہنچا اور ارمان سے متعلق تازہ حالات کا انکشاف کیا۔ شہاب نے ارجن کو عمران اور ارمان سے متعلق ضروری حالات بتا دیئے تھے اور درخواست کی تھی کہ وقت ضرورت نجمی کی مدد کرتا رہے۔
ارجن نے ارمان کے ہوٹل کا نام، کمرے کا نمبر اور جوہری کی دکان کا نام نوٹ کر لیا اور سر عمران کو دہلی میں تلاش کرنے کا فوری حکم ٹیلی فون پر چاروں طرف پولیس کے حلقے کو دے دیا۔
''لیکن مسٹر شہاب کا غائب ہونا بھی بڑا پراسرار معلوم ہوتا ہے۔'' ارجن نے کہا۔
''وہ آدمی نہیں ہے ارجن میاں۔'' نجمی نے کہا۔ ''بھوت ہے۔''
''میرا خیال ہے کہ یہ بھوت دہلی ہی میں موجود ہے۔'' ارجن نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے؟''
''خیال کو ڈالو جہنم میں۔'' نجمی بولا۔ ''یہ بتاؤ احمرہ کے رقص کے لیے پاس دلا رہے ہو یا نہیں؟ آج بہترین شو ہے۔''
اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی نے ارجن کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پھر جب دو منٹ بعد اس نے ریسیور رکھا تو اس کا چہرہ ابر آلود مطلع کی طرح سنجیدہ اور تاریک تھا۔
''آج احمرہ کا رقص نہیں ہوگا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
''کیا واقعی؟ مگر کیوں؟'' نجمی نے حیرت سے پوچھا۔
''مردے رقص نہیں کر سکتے۔'' ارجن نے کہا۔ ''احمرہ قتل کر دی گئی ہے۔''
''کیا؟'' نجمی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا اور جب ارجن نے اس کو اپنے ساتھ موقع واردات پر چلنے کی دعوت دی تو وہ چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لیا۔
جب وہ دونوں احمرہ کی قیام گاہ پر پہنچے تو وہاں احمرہ کی سیکریٹری مس زرینہ اور تھیٹر کا منیجر دلیپ موجود تھا۔ خوف و حیرت سے ان دونوں کی بری حالت تھی۔
ارجن نے احمرہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو نجمی کا شاعرانہ دل پہلی ہی نظر میں لبوں تک آ گیا۔ حسین و جمیل رقاصہ احمرہ کمرے کے قالین پوش فرش پر ایک میز کے قریب مردہ پڑی تھی۔ اس کا آدھا جسم فرش پر تھا اور آدھا ایک الٹی ہوئی آبنوسی

کرسی پر۔ ظاہر تھا کہ مرتے وقت وہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور یہ سمجھنا بھی مشکل نہ تھا کہ احمرہ کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔ میز پر ایک چھوٹا سا ٹائپ رائٹر رکھا تھا جس میں ایک کاغذ لگا ہوا تھا۔ انسپکٹر ارجن نے جھک کر کاغذ پر نظر ڈالی تو اس پر ایک نامکمل تحریر موجود تھی۔

''ڈیئر رستم! آج میرے انتقام کی تکمیل اور ہم دونوں کے منصوبے کی کامیابی کا دن ہے یا پھر ممکن ہے آج ہمارے خوابوں کی تباہی ہو جائے۔ اگلے چوبیس گھنٹے فیصلہ کن ہیں یا تو میں کل اس وقت ایک لکھ پتی کی بیوی ہوں گی یا پھر ایک لاش۔ ارمان ہمارے پنجے میں ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ پلٹ کر یہ سانپ مجھے ڈس لے لیکن میں ہر خطرے کے لیے تیار ہوں اور......''

ارجن اور نجمی نے یہ مختصر تحریر پڑھی اور ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہوں میں ایک ہی سوال تھا۔ کیا اس حسین رقاصہ کو ڈسنے والا سانپ ارمان ہی تھا؟ مگر کیوں؟ ایک مصری رقاصہ اور ارمان میں کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ انتقام سے کیا مراد ہے؟ رستم کون ہے؟ کیا وہی جو ارمان کو بلیک میل کر رہا ہے؟

ارجن اور نجمی باہر آ گئے۔ انہوں نے احمرہ کی سیکریٹری زرینہ اور تھیٹر کے منیجر دلیپ سے سوالات کیے تو معلوم ہوا کہ ساڑھے نو بجے کے قریب احمرہ نے ٹیلی فون پر دلیپ کو بلایا تھا اور کہا تھا کہ وہ نہ صرف آج شب رقص نہیں کرے گی بلکہ رقص کی زندگی ہی کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ رہی ہے اور اس سلسلے میں اس نے دلیپ سے جو ایک ماہ کا معاہدہ کیا تھا' اسے منسوخ کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے دلیپ کو ہدایت کی کہ آج شام تک معاہدے کی منسوخی سے متعلق قانونی معاملات طے کرنے کے لیے چلا آئے۔

احمرہ کے اس فیصلے سے دلیپ کے تھیٹر کی تباہی یقینی تھی۔ اس لیے وہ مختلف دوستوں سے مشورہ کرتا رہا اور دو بجے کے قریب یہاں پہنچا۔ دروازے پر کئی مرتبہ دستک دینے پر بھی جب کوئی جواب نہ ملا تو دلیپ نے کواڑ دھڑ دھڑائے۔ اس پر زرینہ نے دروازہ کھولا اور معذرت کی کہ وہ ٹائپ کر رہی تھی۔ اس کا پرانا ٹائپ رائٹر بہت شور مچاتا ہے جس کی وجہ سے وہ دستک کی آواز نہ سن سکی۔ زرینہ نے بتایا کہ احمرہ اپنے کمرے میں ہے۔ دلیپ نے کمرے کا دروازہ کھولا تو احمرہ کو اسی حالت میں مردہ پایا جیسی کہ اس وقت موجود تھی۔ چنانچہ دلیپ الٹے پاؤں دہشت زدہ ملحقہ کمرے میں زرینہ کے پاس آیا اور اسے بتایا۔ زرینہ نے فوراً پولیس کو فون کر دیا۔

اس کے بعد انسپکٹر ارجن نے احمرہ کی سیکریٹری زرینہ سے کہا۔ ''آج صبح سے دو بجے تک کے جو واقعات آپ کو معلوم ہوں براہ مہربانی بیان کیجیے۔''

''میں صبح نو بجے یہاں کام پر آئی تھی۔'' زرینہ بولی۔ ''مس احمرہ نے مجھے فوراً ہی بہت سے کاغذات ٹائپ کرنے کے لیے دے دیئے تھے اور جلد سے جلد ان کی تکمیل کی ہدایت کی تھی۔ ان کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رقص کے پیشے کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دینے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ صبح سوا گیارہ بجے کے قریب مسٹر ارمان ملنے کے لیے آئے اور پندرہ منٹ بعد ہی چلے گئے۔ اس کے بعد دلیپ صاحب کے آنے تک یعنی دو بجے تک کوئی شخص مس احمرہ سے ملنے کے لیے نہیں آیا۔''

''آپ کا کمرا' احمرہ کے کمرے کے بالکل نزدیک ہے۔ کیا آپ نے کرسی وغیرہ گرنے کی آواز نہیں سنی؟'' ارجن نے پوچھا۔

''میرے لیے اس آواز کو سننا مشکل تھا۔ اول تو مس احمرہ کے کمرے میں قالین کا فرش ہے۔ دوسرے میرا ٹائپ رائٹر بہت شور پیدا کرتا ہے۔''

''کیا آپ صبح سے دو بجے تک کے درمیان وقت میں مکان سے باہر گئی تھیں؟'' ارجن نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' زرینہ نے جواب دیا۔ ''مسٹر ارمان یہاں سے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب گئے تھے۔ میں ان کے جانے سے پانچ منٹ قبل بیرونی دفتر میں گئی تھی اور فوراً ہی واپس آ گئی تھی۔ ٹائپ کا کاغذ ختم ہو گیا تھا۔ اس لیے مجھے باہر جانا پڑا تھا۔ جب میں اپنے کمرے کی طرف واپس آ رہی تھی تو مسٹر ارمان مس احمرہ کے کمرے سے نکلے تھے اور مجھ سے دو ایک باتیں کر کے رخصت ہو گئے تھے۔''

''لیکن بیرونی دفتر جانے کے لیے آپ کو اس کھڑکی کے سامنے سے گزرنا پڑتا ہوگا جو مس احمرہ کے کمرے کی پشت پر باغیچے میں کھلتی ہے۔''

''جی ہاں یہ کھڑکی چونکہ کھلی ہوئی تھی۔ اس لیے بے ارادہ میری نظر ادھر اٹھ گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ مس احمرہ میز کے سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی پشت کھڑکی کی طرف تھی اور ان کے سامنے مسٹر ارمان بیٹھے ہوئے ہنس رہے تھے۔ دراصل ان کی ہنسی کی آواز ہی سے میں ادھر متوجہ ہوئی تھی۔''

''مکان میں قیمتی سامان بھی ہوگا۔'' ارجن بولا۔ ''کیا کوئی چیز غائب ہے؟''

''نہیں۔'' زرینہ نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ تعجب ضرور ہے

کہ مس احمرہ کی انگلی میں سے انگوٹھی کہاں گئی؟ یہ انگوٹھی وہ ہمیشہ پہنے رکھتی تھیں کیونکہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ وہ مسٹر ارمان سے میرا مطلب ہے کہ ان دونوں کی شادی متوقع تھی اور انگوٹھی اس کی یادگار تھی۔"

"انگوٹھی کی قیمت کا اندازہ؟"

"خود مس احمرہ نے بتایا تھا کہ وہ پانچ سو روپے کی تھی۔" زرینہ نے جواب دیا۔

اسی وقت ڈاکٹر نے لاش کا معائنہ کر کے انسپکٹر ارجن کو آکر اپنی رپورٹ دی۔ ارجن نے رپورٹ پر ایک نظر ڈالی اور حیرت سے بولا۔ "ڈاکٹر صاحب کیا آپ کو یقین ہے کہ موت کا جو وقت آپ نے لکھا ہے صحیح ہے؟"

"بالکل۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "اگرچہ قطعی اندازہ تو پوسٹ مارٹم کے بعد ہی ہوسکتا ہے لیکن فرق زیادہ سے زیادہ دس پندرہ منٹ ہی کا ہوسکتا ہے۔ احمرہ کی موت یقیناً صبح نو اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔"

"لیکن سنیے تو سہی۔" ارجن پریشانی سے بولا۔ "احمرہ نے صبح ساڑھے نو بجے کے قریب مسٹر دلیپ کو ٹیلی فون کیا۔ اس کے بعد مس زرینہ نے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب احمرہ کو کرسی پر بیٹھے اور ارمان سے ملاقات کرتے دیکھا۔ اس کا مطلب ہے کہ احمرہ ساڑھے نو اور ساڑھے گیارہ بجے کے درمیان زندہ تھی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نو اور دس بجے کے درمیان مرچکی ہو؟"

"اس گتھی کو سلجھانا آپ کا کام ہے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "یہ بالکل ناممکن ہے کہ احمرہ دس بجے کے بعد زندہ رہی ہو۔ آپ میرے اندازے میں زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے کی غلطی فرض کر سکتے ہیں۔ حالانکہ میرا صحیح اندازہ یہی ہے کہ موت نو اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔"

شام کو تقریباً چار بجے جب انسپکٹر ارجن اور نجمی احمرہ کے مکان سے واپس آرہے تھے تو ارجن نے کہا۔ "انتہائی عجیب قتل ہے۔ یہ اول تو قتل کا مقصد ہی سمجھ میں نہیں آتا لیکن اگر انگوٹھی کی چوری کو مقصد مان لیا جائے تو قاتل ایک معمہ بن کر رہ جاتا ہے۔ احمرہ کے ٹائپ رائٹر پر لگی ہوئی تحریر صاف ظاہر کرتی ہے کہ قاتل ارمان ہی ہے لیکن اگر ارمان قاتل ہے تو وہ ٹائپ رائٹر میں اپنے خلاف یہ تحریر وہیں کیوں چھوڑ گیا؟ اس کے علاوہ زرینہ کا بیان اس کا ثبوت ہے کہ ارمان جب وہاں سے رخصت ہوا تو احمرہ زندہ تھی۔"

"اور تیسرا معمہ یہ کہ ڈاکٹر کی رائے میں موت کا وقت دس بجے کے بعد ہو ہی نہیں سکتا۔" نجمی بولا۔ "زرینہ کا بیان ہے کہ ارمان وہاں سوا گیارہ بجے پہنچا تھا۔ اگر ڈاکٹر کے قول کے مطابق احمرہ ساڑھے دس بجے سے قبل مرچکی تھی تو ارمان پر قتل کا شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

"پھر یا تو سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں یا ہمارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" ارجن بولا۔

"جی نہیں، یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔" ایک آواز نے پشت کی طرف سے کہا۔

ارجن اور نجمی نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔ ان کے سامنے تھیٹر کا منیجر دلیپ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"قاتل آپ کے سامنے حاضر ہے۔" دلیپ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی آنکھوں پر لگا ہوا سیاہ چشمہ اتار دیا۔

نجمی اور ارجن نے حیرت سے نظر جما کر دیکھا تو دلیپ کی بدلی ہوئی آواز کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں کی چمک نے اس سوال کا خاموش جواب دے دیا جو نجمی اور ارجن کی نگاہوں میں مچل رہا تھا۔

"شہاب تم۔" نجمی بول اٹھا۔

شاہراہ پر آکر جب وہ تینوں پولیس کار میں بیٹھ گئے تو شہاب نے کہا۔ "مجھے احساس ہے کہ آپ دونوں کے ذہن میں سینکڑوں سوالات کا طوفان برپا ہوگا لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ راز کا پورا حل میری مٹھی میں ہے لیکن ایک مرحلہ باقی ہے احمرہ کا قاتل بہت جلد ایک اور خون کرنے والا ہے۔ یہ کوشش ہی اس کی قسمت کا فیصلہ کردے گی۔"

"آپ کا اشارہ ارمان کی طرف ہے؟" ارجن نے پوچھا۔

"ابھی یہ بتانا قبل از وقت ہے دوست۔" شہاب نے کہا۔ پھر نجمی سے مخاطب ہوا۔ "نجمی اب اس خطرے سے نبرد آزما ہونے کا وقت آگیا ہے جس کے متعلق میں نے سفر پر جاتے وقت تمہیں آگاہ کیا تھا۔ میری معلومات کے مطابق عمران کی ذہنی حالت ابھی درست نہیں ہوئی اور وہ عنقریب بمبئی واپس آنے والا ہے تم میرا دیا ہوا خط لے کر آج رات ہی بمبئی روانہ ہو جاؤ اور جیسے ہی عمران وہاں پہنچے اس سفارشی خط کے ذریعے اس کے ملازموں میں بھرتی ہو جاؤ۔ عمران کی زندگی کا اب ایک دن کے لیے بھی اعتبار نہیں لیکن یہ نہ بھولنا کہ تم موت کے منہ میں جارہے ہو اور مسٹر ارجن آپ سے درخواست ہے کہ ارمان کو فوراً گرفتار کر لیجیے۔ نتائج کا ذمے دار میں ہوں۔"

"تو کیا احمرہ کی موت سے متعلق ڈاکٹر کا بیان غلط ہے؟" ارجن نے پوچھا۔

"غلط ہو یا صحیح بہرحال ارمان کی گرفتاری ضروری ہے۔"

شہاب نے کہا۔ ''اور اس کے ساتھ ہی مجھے یعنی دلیپ کو بھی گرفتار کرلیں۔ اسی لیے میں آپ کے ساتھ کوتوالی چل رہا ہوں۔''

''میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' ارجن نے الجھ کر کہا۔

''قتل کے دو مشتبہ ملزموں کی حیثیت سے میں آج رات ارمان کے ساتھ حراست میں رہنا چاہتا ہوں۔'' شہاب نے کہا۔ ''راز کی چند کڑیاں ایسی ہیں جو ہنوز تاریکی میں ہیں اور صرف ارمان ہی ان پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ایک ہم قسمت ملزم کی حیثیت سے وہ مجھے اپنے دل کا حال آسانی سے بتا سکے گا لیکن یہ احتیاط رکھیے کہ ہم دونوں کی گرفتاری کی ہلکی سی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پہنچے۔ اس کے بعد اگلے روز آپ ہم دونوں کو رہا کردیں گے۔ اس کا انتظام میں کرلوں گا کہ ارمان کوئی قانونی کارروائی نہ کرے۔''

☆☆

نصف شب کے بعد ہر طرف موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

نجمی ملازمین کے کوارٹر میں پڑا جاگ رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ایک خوفناک آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

اسے عمران کے ہاں ملازم ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ جب نجمی نے شہاب کا دیا ہوا خط عمران کو پیش کیا تھا تو اس نے بغیر چون و چرا کیے نجمی کو ملازم رکھ لیا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ نجمی کو معلوم تھا کہ یہ سازشی خط شہاب نے حکم کے بادشاہ کے نام سے تحریر کیا تھا۔ عمران نے یہ خط پڑھا تو ہلکے سے مسکرا کر کہا تھا۔ ''اگر میرے ہمدرد محسن نادیدہ دوست کی یہی مرضی ہے تو تم خوشی سے یہاں رہو مگر تمہارا نام کیا ہے؟''

نجمی سٹپٹا گیا۔ کیونکہ اس نے اپنی حماقت سے اپنے لیے کوئی فرضی نام سوچا ہی نہ تھا۔ لہٰذا گھبراہٹ میں بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ ''میرا نام ٹماٹر ہے سرکار۔''

''ٹماٹر خوب مگر آدمی تو تم ککڑی جیسے معلوم ہوتے ہو۔''

ان تین دنوں میں نجمی کو ایک چیز بھی ایسی نظر نہ آئی تھی جس سے ان خطرات کا شبہ ہو سکے جن سے شہاب نے آگاہ کیا تھا۔ عمران بھی دماغی اعتبار سے صحت مند نظر آرہا تھا لیکن چند نوکروں سے اسے معلوم ہوا تھا کہ عمران کو دیوانگی کے اچانک دورے پڑتے ہیں۔ بہرحال اس کی زندگی کے لیے کسی طرح کا کوئی خطرہ نظر نہ آتا تھا۔ نجمی خود اپنے لیے بھی کوئی ایسا خطرہ محسوس نہ کرسکا تھا جس کی طرف شہاب نے خصوصی توجہ دلائی تھی۔ اس کے باوجود نجمی، عمران کی اور اپنی حفاظت کی طرف سے مکمل طور پر ہوشیار تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شہاب کوئی بات بغیر معقول وجہ کے نہیں کہہ سکتا۔

آج شام اچانک جب اسے پہلے فیروزہ کا ایک خفیہ پیغام اور اس کے بعد حکم کے بادشاہ کا ایک چھوٹا سا خط پراسرار طور پر اپنے کوارٹر میں ملا تو ایک بار پھر اسے شہاب کے الفاظ کی اہمیت محسوس ہونے لگی۔

ان دونوں تحریروں میں نجمی کو خبردار کیا گیا تھا کہ بھیانک خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ حکم کے بادشاہ نے اپنے خط میں نجمی کو دوستانہ مشورہ دیا تھا کہ اپنی حماقت سے باز آئے اور فوراً عمران منزل سے چلا جائے۔ کیونکہ وہ عمران کی کوئی حفاظت نہیں کرسکتا اور خود اپنی زندگی کو موت کے منہ میں ڈالے ہوئے ہے۔

نجمی نے اس خط کو جعلی تصور کیا اور سوچا کہ یہ شاید عمران کے دشمنوں کی چال ہے جو اس کو ڈرا کر عمران منزل سے ہٹانا چاہتے ہیں لیکن تعجب یہ تھا کہ ان کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ ملازم کے بھیس میں یہاں موجود ہے۔ بہرحال بعد میں جب فیروزہ کا پیغام ملا کہ خطرے کے لیے تیار ہو جاؤ تو وہ سمجھ گیا کہ خطرہ محض وہم نہیں۔

اور اس وقت جب ایک بھیانک آواز سے اس کی آنکھ کھلی تو بے اختیار اس کا ہاتھ تکیے کے نیچے پہنچ گیا جہاں اس کا بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔ تنگ و نیم روشن کمرے میں اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دروازہ بدستور اندر سے بند تھا۔ وہ بستر پر پڑا ہوا سننے لگا۔ چاروں طرف خاموشی کا راج تھا چند منٹ بعد نجمی سوچنے لگا کہ شاید وہ بھیانک آواز اس کے اپنے ذہن کی پیداوار تھی لیکن نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی خونخوار درندہ اس پر زقند لگانے کے لیے کہیں چھپا بیٹھا ہو۔

اچانک وہ ایک طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھل کر بیٹھ گیا۔ سلاخ دار کھلی کھڑکی کے باہر اس کے حساس کانوں نے ایک آواز محسوس کی تھی انسانی قدموں کی آواز۔

دوسرے ہی لمحے کھڑکی کے عقب میں ایک بھیانک شکل ابھری خود عمران کی شکل۔ اس کے بال وحشیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں خونخوار دیوانگی کی چمک تھی اور ہونٹ ایک بھیانک قسم کی مسکراہٹ کے انداز میں کھلے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں دو ریوالور تھے اور ان دونوں ریوالوروں کا رخ نجمی کی طرف تھا۔

نجمی اپنی چارپائی پر سنگی مجسمے کی طرح ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ عمران اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہ تھا اور نجمی اپنے تجربات کی بنا پر جانتا تھا کہ ایسے خونخوار دیوانوں کی نفسیات کیا

ہوتی ہے۔ ریوالوروں کی زد سے ہٹنے کی خفیف ترین کوشش پر بھی نجمی پر گولیوں کی بارش ہو جانا یقینی تھا کیونکہ خوف زدہ اور متحرک شے کو نشانہ بنانا ایسے دیوانوں کے لیے خاص طور پر دلچسپ کھیل ہوتا ہے۔ بچت صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے کہ ایک دبنگ اور دلیرانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

یکا یک نجمی کے خیالات کی آندھی رک گئی۔ دیوانے عمران نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا اور بولا۔

"چھوٹا سا چوہا اور اتنا بڑا پنجرہ۔" اور پھر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ارے میں نے تو اس پنجرے میں وہ شیر رکھا تھا جو افریقہ میں پکڑا تھا۔ تم تو محض ایک گیدڑ ہو وہ شیر کیا ہوا آخر؟" اس کے بعد غصے سے دانت پیس کر بولا۔ "بتا...... بتا او گیدڑ! کہاں گیا وہ خونخوار شیر؟ ورنہ مار ڈالوں گا۔"

"بکواس بند کر اے انسان۔" نجمی نے اپنی پوری قوت سے گرج کر کہا۔ "تجھے معلوم ہے میں کون ہوں؟"

"کون ہو؟" عمران نے اسے غور سے دیکھ کر پوچھا۔

"میں ہوں شاہ جنات گڑ بڑ خان۔" نجمی نے خوفناک انداز میں عمران کو گھورتے ہوئے کہا۔ "میں بھوکا ہوں۔ بہت بھوکا۔ جا بھاگ جا ورنہ تجھے ہی کھا جاؤں گا۔"

"جنات۔" وہ بولا۔ "چھوٹا کہیں کا تو شاہ جنات کیسے ہو سکتا ہے؟ شاہ جنات تو ہم خود ہیں...... ہم......" عمران نے پھر ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔

"آدمی کے بچے تو جھوٹ بولتا ہے۔ ہمارے سامنے۔" عمران نے غصے سے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔ "لے دیکھ...... یہ لے۔"

اور پھر پے در پے دو فائروں کی آواز کمرے میں گونج اٹھی اس کے ساتھ ہی نجمی کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر لڑھکتا ہوا چار پائی کے نیچے ڈھیر ہو گیا۔

دیوانے عمران نے سلاخوں کے عقب سے ایک گہری نظر اندر دھندلی روشنی میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے نجمی کی ٹانگوں پر ڈالی جو چار پائی کے نیچے سے باہر نکلی ہوئی تھیں اور پھر وہ کھڑکی سے ہٹ کر اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔

اچانک نجمی کے بے حس و حرکت جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ چار پائی کی لٹکتی ہوئی چادر کے نیچے سے اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ دیوانہ عمران غائب ہو چکا تھا۔ آن واحد میں نجمی چار پائی کے نیچے سے نکل کر دروازے کی طرف لپکا اور دروازہ کھول کر بے تحاشا کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف دوڑ پڑا۔ اب اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی موجود تھا۔

پھر جیسے ہی وہ ہال کے پہلو والے برآمدے میں بائیں طرف مڑا اچانک ایک سیاہ پوش سے ٹکرا گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکے اس کے ریوالور والے ہاتھ پر سیاہ پوش کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

"گھبراؤ نہیں نجمی۔" سیاہ پوش سرگوشی میں بولا۔

"تم......" نجمی کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں میں ہی ہوں۔" شہاب عجلت سے بولا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"ابھی ابھی وہ میرے کوارٹر میں پہنچا تھا۔" نجمی نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "اس کے ہاتھوں میں دو ریوالور تھے۔ اپنی دانست میں تو اس دیوانے نے مجھے مار ہی ڈالا تھا اگر میں جھوٹ موٹ چیخ کے ساتھ لاش بن جانے کی اداکاری نہ کرتا تو......"

"مگر وہ ہے کہاں؟" شہاب نے اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔ "آؤ جلدی سے میرے ساتھ آؤ لیکن اپنا ریوالور ہاتھ ہی میں رکھنا۔"

تاریک برآمدوں کی بھول بھلیوں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں دبے پاؤں کوٹھی کی پشت پر پائیں باغ میں پہنچے۔ اچانک شہاب رک گیا۔ اس کے تیز کانوں نے کچھ دور ایک آہٹ سنی تھی۔ اس نے احتیاط کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اپنی ٹارچ روشن کی اور پھر ایک جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ سامنے روش پر عمران کی لاش پڑی تھی۔ اس کے سینے پر تازہ خون کی سرخی نمایاں تھی اور ہاتھوں میں دو ریوالور دبے ہوئے تھے۔

"مار ڈالا خود کو کم بخت نے۔" نجمی افسوس سے بولا۔

"لیکن فائر کی آواز ہم نے کیوں نہیں سنی؟" شہاب نے کہا پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت ایک دل دوز کراہ سے باغ کی خاموشی تڑپ اٹھی۔

وہ دونوں اچھل کر اس آواز کی طرف دوڑ پڑے۔ ایک بار پھر کراہ کی ہلکی سی آواز سن کر شہاب نے ٹارچ کی روشنی ادھر ڈالی تو ایک اور ہیبت ناک نظارہ ان کے سامنے تھا۔ گھاس پر ایک شخص پڑا تھا اور اس کے سینے سے سرخ سرخ خون ابل رہا تھا۔

"ارمان۔" شہاب نے جھکتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں......؟"

ارمان نے آنکھیں کھول کر شہاب کو پہچانا اور نحیف آواز میں بولا۔ "وہ...... وہ...... ابھی...... اس طرف گیا ہے...... جلدی کیجیے مسٹر شہاب۔"

"نجمی تم یہاں ارمان کو سنبھالو۔ فوراً ڈاکٹر کو فون کر دو۔" شہاب نے کہا اور تاریکی میں تیزی سے ایک طرف دوڑتا چلا

گیا۔
ایک جگہ پہنچ کر اس کے قدم رک گئے اور اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
گھنے درختوں کے نیچے نصف پوشیدہ ایک چھوٹی سی کار کھڑی تھی۔ کار کے قریب ہی فیروزہ موجود تھی۔ اسکے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے میں ٹارچ...... ٹارچ کی روشنی چند گز کے فاصلے پر کھڑے ایک اور شخص کو نمایاں کر رہی تھی جس کی پشت فیروزہ کی طرف تھی اور دونوں ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔
''بہت خوب۔ شاباش!'' شہاب بے اختیار بولا اور پھر دو قدم آگے بڑھ کر اپنے ریوالور کی نال اس اجنبی شخص کی کنپٹی سے لگا دی اور فیروزہ سے مخاطب ہوا۔ ''فیروزہ اب تم جلدی سے اس کی تلاشی لے ڈالو۔''
فیروزہ نے آگے بڑھ کر اس شخص کے چہرے پر روشنی ڈالی لیکن اس کا چہرہ ایک نقاب میں پوشیدہ تھا جس کے لمبے چرمی بند او پر سر کے پیچھے اور نیچے گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ''مگر یہ ہے کون؟'' فیروزہ نے تلاشی لیتے ہوئے پوچھا۔
''تم اپنے قیدی کو نہیں پہچان سکیں؟'' شہاب نے ہنس کر کہا۔ ''یہ بادشاہ ہے...... حکم کا بادشاہ!''
☆☆
عمران منزل کے خوب صورت اور وسیع ہال میں چند افراد کرسیوں پر خاموشی سے بیٹھے تھے۔ ان میں شہاب، تجمی اور فیروزہ کے علاوہ انسپکٹر پریم، انسپکٹر ارجن، مقامی سپرنٹنڈنٹ پولیس چند اخبارات کے نمائندے مرحوم عمران کا لڑکا ارمان وغیرہ سب ہی شامل تھے اور تقریباً سب ہی کی نظر رہ رہ کر پہلو کی طرف ایک کرسی کی سمت اٹھ رہی تھی جس پر ایک سیاہ نقاب پوش دست و پابستہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں طرف پولیس کے دو سپاہی مسلح کھڑے تھے۔
شہاب نے اپنی کرسی سے اٹھ کر حاضرین پر ایک مسکراتی نظر ڈالی اور بولا۔ ''حضرات اس سے پیشتر کہ میں اس راز کی تفصیلات پیش کروں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ سے اس حکم کے بادشاہ کا تعارف کرا دوں جو گزشتہ شب ختم ہونے والے حیرت ناک ڈرامے میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اب تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس شخص نے اپنے لیے حکم کے بادشاہ کا خطاب کیوں پسند کیا۔ آپ کے لیے فی الحال میں بطور تعارف اتنا ہی کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ شخص دنیائے جرائم میں بے مثال چالاکی کا مالک ہے اور اگر ایک دو مقام پر اس سے

پالیسی

اسٹیشن کے نوٹس بورڈ پر لکھا ہوا تھا۔ ٹرین ایک گھنٹے لیٹ ہے۔ ایک صاحب اس بورڈ کو پڑھنے کے بعد ادھر ادھر ٹہل کر وقت گزارنے لگے۔ ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے دوبارہ نوٹس بورڈ کو دیکھا تو وہاں لکھا تھا۔ ''ٹرین کے آنے میں مزید آدھے گھنٹے کی تاخیر ہوگئی ہے۔'' آدھا گھنٹہ گزارنے کے بعد جب تیسری بار بھی مزید تاخیر کے بارے میں پڑھا تو وہ بھنا کر اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں پہنچے اور غصے میں بولے۔ ''میں کہتا ہوں کہ اگر ٹرین تین چار گھنٹے لیٹ ہے تو آپ نوٹس بورڈ پر ایک ہی دفعہ کیوں نہیں لکھوا دیتے کہ ٹرین چار گھنٹے لیٹ ہے۔''
''بڑی آسان سی بات ہے جناب۔'' اسٹیشن ماسٹر نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''اگر ایسا لکھ دیا جائے تو اسٹیشن کی یہ چہل پہل ہی ختم ہو جائے گی۔ لوگ یا تو بازار کے چکر لگانے چلے جائیں گے یا اپنے گھر جا کر سو جائیں گے۔''

معمولی غلطیاں سرزد نہ ہوگئی ہوتیں تو آج یہ آپ کے سامنے اس طرح معذور و مقید نظر نہ آتا۔ اس لفظی تعارف کے بعد میں چاہتا ہوں کہ آپ اس زبردست مجرم کے چہرے کی بھی زیارت کرلیں اگر آپ حضرات اور خصوصاً مسٹر ارمان حیرت و استعجاب کا شدید جھٹکا سہنے کو تیار ہوں تو میں اس شخص کے چہرے سے نقاب ہٹا دوں۔''
شہاب نے ایک منٹ رک کر حاضرین کو سنبھل جانے کا موقع دیا اور پھر آگے بڑھ کر مجرم کے چہرے سے نقاب کھول ڈالی۔ جیسے ہی نقاب علیحدہ ہوئی ہال میں حیرت وخوف کی کئی چیخیں گونج اٹھیں۔
''سر عمران!''
''سر عمران...... حکم کا بادشاہ......؟''
''سر عمران زندہ ہیں۔''
''پاپا...... آپ......؟''
''تو پھر وہ لاش کس کی تھی؟ کیا وہ سر عمران نہیں تھے؟''
''حضرات۔'' شہاب نے بلند آواز سے کہا۔ ''میں نے اور آپ نے جس عمران کی لاش دیکھی ہے وہ شکل و صورت

سے عمران ضرور تھا لیکن دراصل عمران نہیں تھا اور اگر آپ یقین کریں تو عرض کروں کہ آپ کے سامنے موجود یہ شخص بھی اصلی سرعمران نہیں ہے۔"

"یہ بھی سرعمران نہیں!" انسپکٹر پریم بول اٹھا۔ "تو پھر یہ کون ہے؟ اور وہ لاش کس کی تھی؟ سرعمران کہاں گئے آخر؟"

"آپ کے استعجاب کا مجھے پورا پورا احساس ہے۔" شہاب نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے سامنے جو یہ شخص سر جھکائے خاموش بیٹھا ہے سرعمران کا ہم شکل سہی لیکن یہ وہی پراسرار ہستی ہے جو حکم کا بادشاہ بنی ہوئی تھی اور سرعمران کی ہم شکل لاش جو آپ دیکھ چکے ہیں اس شخص کو ہم رستم کے نام سے جانتے تھے۔"

"رستم......" ارمان بولا۔ "یہ ناممکن ہے، مسٹر شہاب۔"

"سائنس کی دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں، مسٹر ارمان۔" شہاب نے کہا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے والد سرعمران، افریقہ سے واپس نہیں آسکے۔ وہ وہاں کے ایک لق و دق صحرا کی مٹی میں ابدی نیند سو رہے ہیں لیکن سائنس کے کرشمے نے ان کے مرتے ہی پہلے ایک اور پھر دوسرا عمران پیدا کردیا۔ پہلا عمران آپ کے سامنے موجود ہے اور دوسرے کی لاش آپ دیکھ چکے ہیں۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں، مسٹر شہاب؟" سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا۔ "کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟"

"جی نہیں۔" شہاب نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ ایک جدید جراحی پلاسٹک سرجری کا کمال ہے۔ اس فن کا ماہر ڈاکٹر معمولی آپریشن کے ذریعے خوب صورت شخص کو بدصورت اور بدصورت کو خوب صورت بنا سکتا ہے اور خدوخال میں حیرت ناک تبدیلیاں پیدا کرسکتا ہے۔ حکم کے بادشاہ نے اسی مفید فن کو اپنے مجرمانہ مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔"

"کس طرح؟" کئی آوازیں بیک وقت ابھریں۔

"اس پیچیدہ اور مجرمانہ منصوبے کا آغاز درحقیقت افریقہ سے ہوتا ہے۔" شہاب نے کہنا شروع کیا۔ "اپنی شریک حیات کی ناگہانی موت سے دل برداشتہ ہو کر سرعمران سیاحت پر روانہ ہوئے تو افریقہ کے ایک مقام پر کسی پراسرار بیماری میں مبتلا ہوگئے جس سے وہ جانبر نہ ہوسکے۔ حکم کے بادشاہ نے جو سرعمران کی نجی زندگی کی ایک ایک تفصیل اور تمام نقل و حرکت سے واقف تھا، اس موقعے سے فائدہ اٹھایا۔ اسی زمانے میں افریقہ کے اسی علاقے میں ایک مشہور جرمن ڈاکٹر راجرس بھی بغرض سیاحت آیا ہوا تھا جو پلاسٹک سرجری کا ماہر تھا۔ حکم کے بادشاہ نے اس سے دوستی گانٹھی اور پھر غالباً کثیر دولت کا لالچ دے کر اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ اس کی صورت سرعمران مرحوم کی طرح بنادے اس طرح حکم کے بادشاہ نے خود کو جعلی سرعمران میں تبدیل کرکے ہلال بینک کے سرمائے پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ارمان کو مطلع کردیا کہ پراسرار بیماری میں قیصر ہلاک ہوگیا لیکن عمران زندہ ہے اور اپنی صحت کی بحالی کے لیے یورپ وغیرہ کا دورہ کر کے علاج کرانا چاہتا ہے لیکن درحقیقت جعلی عمران کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ پلاسٹک سرجری کی اہمیت کو محسوس کرچکا تھا اور اس فن کو سیکھ کر اپنی مجرمانہ زندگی میں بروئے کار لانے کا ایک عجیب منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس نے اپنے راز کی حفاظت کے مدنظر ڈاکٹر راجرس کو قتل کردیا۔ اس کے بعد یورپ اور امریکہ جا کر پلاسٹک سرجری میں یدطولیٰ حاصل کیا اور ہندوستان آگیا۔ اپنی شکل وصورت کی تبدیلی کے ساتھ اس نے چند احتیاطی تدبیریں بھی کرلی تھیں۔ اس نے پہلے ہی اپنی تصویریں وغیرہ یہاں بھیج کر مسٹر ارمان کو باور کرادیا تھا کہ بیماری نے اس کی شکل وصورت کو کافی حد تک بدل دیا ہے تاکہ اگر حقیقی عمران اور اس مجرم کی بدلی ہوئی صورت میں کوئی معمولی فرق رہ بھی گیا ہو تو اسے نظر انداز کردیا جائے۔ شکل وصورت کے ساتھ ساتھ آواز اور تحریر کے انداز کو سرعمران کی طرح بنالینا ذرا مشکل تھا۔ اس کے لیے اس مجرم نے چند دواؤں کے ذریعے اپنی آواز کو ہمیشہ کے لیے گلوگرفتہ بنالیا اور تحریر کا راز چھپانے کے لیے اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو مفلوج ظاہر کیا۔ تاکہ تحریر کے فرق کو دائیں ہاتھ کی معذوری سمجھ کر محسوس نہ کیا جائے۔"

حاضرین پر سکتہ طاری تھا۔ شہاب نے سگریٹ سلگائی اور پھر کہنا شروع کیا۔

"سرعمران مرحوم کی جگہ لینے کے بعد حکم کے بادشاہ نے اپنے منصوبوں پر عمل کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے اس نے میسور کے جنگل میں اپنا ایک خفیہ مرکز قائم کیا۔ یہ مرکز اس مجرم نے محض اس لیے قائم کیا تھا کہ جرائم پیشہ لوگوں کے ایک گروہ کو اپنا مطیع اور آلۂ کار بنا سکے۔ جب کوئی مجرم خود کو قانون کی زد سے بچانا چاہتا تھا تو وہ اس مرکز پر پہنچ جاتا۔ حکم کا بادشاہ اس کے جرم کا اعتراف نامہ اور تصویر لے لیتا پھر بھاری معاوضے کے عوض پلاسٹک سرجری کے ذریعے اس کی شکل تبدیل کردیتا تاکہ پولیس اس کو کسی طرح پہچان نہ سکے اور بعد میں وہ اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرسکے۔ اس طرح جلد ہی اس کے گرد مجرموں کی ایک ایسی جماعت اکٹھا ہوگئی جن کی قسمتیں اس کے ہاتھ میں تھی۔ اب حکم کے بادشاہ نے اپنے اصل اور

فلسفہ حیات

★۔ اگر عظمت چاہتے ہو تو اپنے اندر صداقت کی تلاش کرو۔

★۔ انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔

★۔ کوئی بھی ایسا کام خلوت میں مت کرو جو جلوت میں ظاہر ہو تو تم شرم محسوس کرو۔

★۔ اگر کسی کو ہدایت دینا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اپنے نفس کو ہدایت دو۔

★۔ ماضی پر افسوس کرنا بے کار ہے کیونکہ ماضی کی غلطیوں کی تلافی کے لئے مستقبل سامنے کھڑا ہے۔

★۔ آسمان کی زینت ستارے ہیں اور زمین کی زینت نیک اور تعلیم یافتہ انسان ہیں۔

بڑے منصوبے پر توجہ دی۔ اسے معلوم تھا کہ ہلال بینک میں سر عمران مرحوم کا ذاتی حصہ صرف تین لاکھ روپے کا تھا اور اسے سر عمران کی مرحومہ بیوی نزہت کی عجیب وصیت کا بھی علم تھا۔ لہٰذا حکم کے بادشاہ نے جو ایک طرف سر عمران بنا ہوا تھا اور دوسری طرف جرائم پیشہ لوگوں میں نقاب پوش ڈاکٹر زیرو کے نام سے پہچانا جاتا تھا ارمان کے لیے شہلا کو آلۂ کار بنایا۔ شہلا بھی انہی مجرموں میں ایک آوارہ لڑکی تھی۔ حکم کے بادشاہ نے ڈاکٹر زیرو کے روپ میں شہلا کو اپنے دام میں پھانسا۔ اسے خود ہی ایک تعارفی خط عمران کے نام لکھ کر دیا اور کہا کہ وہ جا کر عمران کی سیکریٹری کی آڑ میں ارمان پر اپنا جادو چلائے اور اس سے شادی کرلے۔ اس طرح وہ ارمان کی دولت میں آدھا آدھا حصہ بانٹ لیں گے۔ شہلا وہ خط لے کر بمبئی آئی تو حکم کے بادشاہ نے سر عمران کے روپ میں اسے اپنی پرائیویٹ سیکریٹری رکھ لیا۔ شہلا نے مسٹر ارمان پر اپنے حسن وادا کا جادو چلایا اور کامیاب ہوئی۔ قریب تھا کہ شادی تک نوبت پہنچ جائے کہ یکا یک ایک نیا واقعہ ظہور پذیر ہوا اور حکم کے بادشاہ نے اپنا سارا منصوبہ بدل دیا۔"

شہاب ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ ہال میں موجود تمام لوگ سنسنی خیز نظروں سے شہاب کو دیکھ رہے تھے۔ شہاب نے کھنکار کر پھر کہنا شروع کیا۔

"جس زمانے میں حقیقی سر عمران اپنی سیاحت پر گئے ہوئے تھے مسٹر ارمان سے ایک ایسی غلطی سرزد ہوگئی جو بیشتر نوجوانوں سے ہو ہی جاتی ہے۔ رستم جو کہ مسٹر ارمان کا دوست رہ چکا تھا۔ اس لغزش کا ذمے دار تھا۔ دہلی جیل میں ایک رات جو میں نے مسٹر ارمان کے ساتھ بسر کی اس رات مسٹر ارمان نے مجھے اپنے راز سے آگاہ کر دیا تھا۔ بہر حال رستم نے بدباطنی کے تحت مسٹر ارمان کو ایک ایسی عورت کے پاس پہنچا دیا جو شرفاء سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی۔ اس نے ان کی باہمی یک جائی کی ایک ایسی تصویر اتار لی جسے مسٹر ارمان کسی حالت میں بھی اپنے والد کی نظروں تک پہنچنے نہیں دے سکتے تھے۔ ارمان کو واقعی اپنے والد سے عشق رہا ہے۔ بہر حال رستم نے اس تصویر کی دھمکی دے کر مسٹر ارمان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرنی شروع کر دیں لیکن ایک دن جب رستم کو معلوم ہوا کہ ہوٹل کے کمرے میں اس کی گفتگو ریکارڈ ہوگئی ہے اور پھر اس نے مس فیروزہ کو اپنا نگراں دیکھا تو وہ خوف زدہ ہو گیا اور فوراً ڈاکٹر زیرو کے پاس پہنچا تا کہ وہ اس کی صورت تبدیل کر کے اسے پولیس کے ہتھے چڑھنے سے بچالے۔ رستم سے سارا قصہ سن کر جعلی عمران یا حکم کے بادشاہ نے ایک نیا منصوبہ تیار کیا۔ اس نے آپریشن کے ذریعے رستم کے چہرے کو اپنی یعنی جعلی عمران کی شکل میں بدل دیا اور اس کے ساتھ ہی رستم کو ایسی دوائیں استعمال کرائیں کہ اس کا دماغی توازن بگڑ گیا۔ اس طرح اس نے نیم پاگل رستم کو ایک اور عمران بنا کر اپنی قید میں رکھ لیا۔ اب اس نے شہلا اور ارمان کی شادی کا منصوبہ بدل دیا تھا اور بینک میں چوری کر کے اس کا شبہ ارمان پر ڈالنے کی اسکیم میں تھوڑی سی ترمیم کر دی۔ اس نے شہلا سے ڈاکٹر زیرو کے روپ میں مل کر یہ تجویز پیش کی کہ ارمان کے قبضے سے بینک کے سیف روم کے قفل کا راز چرا لے۔ اس سے دو مقصد تھے ایک تو یہ کہ اس چوری میں ارمان اور شہلا کا ہاتھ معلوم ہو دوسرے یہ کہ ارمان یہ یقین کر لے کہ شہلا نے دھوکے سے راز حاصل کر کے چوری کرائی ہے۔ اس طرح ارمان کو شہلا سے نفرت ہونی لازمی تھی اور جعلی عمران بھی یہی چاہتا تھا کیونکہ اب ان دونوں کی شادی اس کے مقصد کے لیے مناسب نہ تھی۔ وہ اب شہلا کو درمیان سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔ جب ڈاکٹر زیرو کے روپ میں اسے شہلا سے سیف روم کا راز حاصل ہو گیا تو اس نے خود ہی بالائی منزل کی کھڑکی پر نشانات بنائے تا کہ چوری باہر کے کسی آدمی کی طرف منسوب کی جائے۔

چونکہ سیف روم کو کھولنے کا راز اسے پہلے ہی معلوم تھا۔ لہٰذا اس نے اطمینان سے بینک میں موجود کروڑوں روپے کے جواہرات پر ہاتھ صاف کر دیا۔ نتیجہ اس کے حسب منشا برآمد ہوا۔ ارمان کا شبہ شہلا کی طرف گیا اور دونوں میں مخاصمت تک نوبت آ گئی۔ پولیس کو ارمان پر شبہ تھا اگر میں درمیان میں نہ آتا تو شاید اسے گرفتار کر لیا جاتا۔"

شہاب نے رک کر حاضرین پر ایک نظر ڈالی اور قدرے توقف کے بعد بولا۔

"ارمان گرفتار نہ ہوا تو حکم کے بادشاہ نے آخری زبردست حملہ کیا۔ وہ اپنی دماغی حالت کے بگڑنے کا بہانہ کر کے بمبئی سے چلا گیا اور دوسری سازش میں مصروف ہو گیا جو ارمان کو پھانسی پر لٹکانے کے لیے کافی تھی۔ بینک کی چوری کے بعد شہلا غائب ہو گئی کیونکہ ارمان سے آخری گفتگو کے دوران اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ارمان کو اس پر شبہ ہے۔ اس کے علاوہ شہلا کو درحقیقت ایک حد تک ارمان سے قلبی لگاؤ تھا۔ اپنے خوابوں کو ٹوٹتے دیکھ کر وہ انتقام پر آمادہ ہو گئی۔ وہ پولیس کے خوف سے سیدھی ڈاکٹر زیرو کے پاس پہنچی اور اس مجرم نے اسے اپنا آخری حربہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے شہلا کو ایک انتہائی حسین مصری رقاصہ میں تبدیل کر دیا۔"

"مصری رقاصہ...... احمرہ؟" جمی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" شہاب نے جواب دیا۔ "کلکتہ میں وہ مصری رقاصہ احمرہ کے روپ میں ارمان سے ملی لیکن اسے بتا دیا کہ دراصل وہ شہلا ہے۔ مسٹر ارمان سے مجھے معلوم ہوا کہ اب احمرہ یا شہلا کے پاس وہ تصویر تھی جس کی دھمکی دے کر رشتم روپیہ وصول کیا کرتا تھا۔ وہ تصویر یقیناً جعلی عمران ہی نے اسے دی تھی۔ شہلا یا احمرہ نے اس تصویر کی دھمکی دے کر ارمان کو مجبور کیا کہ کلکتہ بینک کی شاخ سے رقمیں چرا چرا کر اسے دیتا رہے۔ ارمان سمجھتا تھا کہ بینک کی چوری کے صدمے سے باپ کی دماغی حالت یونہی درست نہیں ہے اگر ایسی حالت میں تصویر کا راز اس پر ظاہر ہوا تو مہلک ثابت ہوگا۔ لہٰذا وہ شہلا سے نفرت انگیز جھوٹی محبت کا کھیل کھیلنے لگا۔ اس طرح اسے احمرہ کے ساتھ دہلی جانا پڑا۔ وہاں میں نے تھیٹر کے منیجر دلیپ کے روپ میں احمرہ اور ارمان کے نئے تعلقات کو خوب غور سے دیکھا۔ جیسا کہ جمی اور مسٹر ارجن کو معلوم ہے کہ میں دہلی سے ایک نامعلوم سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ دراصل یہی سفر میرے تمام نظریات اور جدوجہد کی کامیابی کا باعث بنا۔ ہوائی جہاز کے ذریعے میں نے افریقہ کا یہ سفر کس قدر تیزی سے کیا۔ اس کا اندازہ گورنمنٹ کے ان لوگوں ہی کو ہو سکتا ہے جنہوں نے اس کام میں میری ہر طرح سے مدد کی۔ میں نے افریقہ سے متعلق جعلی عمران کے سلسلے میں اب تک جو کچھ عرض کیا ہے وہ سب کچھ مجھے اسی سفر کے دوران معلوم ہوا۔ جعلی عمران یا حکم کے بادشاہ نے سب کچھ کیا لیکن وہ اس بوڑھے کو فراموش کر گیا جو افریقہ میں حقیقی سر عمران کا ملازم تھا۔ اس نے مجھے خود اپنے ساتھ لے جا کر سر عمران مرحوم کی قبر دکھائی اور ڈاکٹر راجرس کے حیرت ناک کمال کا تذکرہ کیا۔"

شہاب نے خاموش ہو کر جعلی عمران کی طرف دیکھا جو سر جھکائے کرسی پر پہلو بدل رہا تھا۔

"پوری گتھی سلجھا لینے کے بعد مجھے یقین تھا کہ اب جعلی عمران یا حکم کے بادشاہ کے لیے دو کام باقی رہ گئے ہیں۔ سب سے پہلے شہلا کو ٹھکانے لگانا اور اس کے بعد خود کو ختم کرنا۔ میرا مقصد ہے۔ کسی دوسرے شخص کو عمران کی شکل میں لا کر ہلاک کرنا تا کہ پولیس عمران کو مردہ سمجھ کر اور احمرہ کے قتل کے سلسلے میں ارمان کو پھانسی پر پہنچا کر چپ چاپ بیٹھ جائے اور حکم کا بادشاہ دور کسی ملک میں جا کر کروڑوں روپے کی دولت سے عیش و آرام کی زندگی گزارے۔ احمرہ کے قتل کے سلسلے میں پورے واقعات مسٹر ارمان نے مجھے دہلی جیل میں بتائے ہیں۔ مختصر یہ کہ جس روز احمرہ ہلاک ہوئی اس روز صبح ہی غالباً ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان حکم کا بادشاہ وہاں موجود تھا۔ اس نے احمرہ کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا اور اس کے ٹائپ رائٹر میں وہ نیم مکمل کاغذ لگا دیا جس سے قتل کا شبہ صاف صاف ارمان کی طرف ہوتا تھا۔ یہ ایک انتہائی حماقت کا کام تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ حکم کے بادشاہ جیسے چالاک مجرم نے ایسی طفلانہ غلطی کیوں کی؟ دنیا میں کوئی شخص بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ قاتل اپنا کام کرنے کے بعد اپنے خلاف ایک ایسی نمایاں تحریر مقتول کے پاس چھوڑ کر چلا جائے گا۔ بہر حال احمرہ دس بجے سے قبل ہی مر چکی تھی۔ سوا گیارہ بجے کے قریب جب ارمان وہاں پہنچا تو اس نے احمرہ کو قالین پر مردہ پڑا پایا۔ احمرہ کی موت ارمان کے لیے یقیناً خوشی کا باعث تھی۔ ایک بڑی مصیبت سے ارمان کو نجات مل گئی تھی۔ اس نے احمرہ کی انگلی سے وہ انگوٹھی اتار لی جو اس نے مجبوراً اس قابل نفرت احمرہ کو دی تھی۔ عین اسی وقت ارمان کو احمرہ کی سیکریٹری زرینہ کھڑکی کے سامنے سے آتی دکھائی دی۔ وہ گھبرا گیا اور بے اختیار اس نے ایسی حرکت کی جس سے احمرہ کی موت کا وقت ایک معمہ بن گیا۔ ارمان نے احمرہ کی لاش کو اٹھا کر کرسی پر سہارا دے کر اس طرح بٹھا دیا کہ اس کی پشت کھڑکی کی طرف تھی پھر وہ خود ہی اس طرح بولنے لگا گویا احمرہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ اس طرح

کی گرفت میں دینے پر آمادہ ہو جاتا؟ کیا ایک حقیقی عاشق باپ ایسا کر سکتا ہے؟ اس کے علاوہ زہر کا واقعہ خود ایک دلچسپ معمہ تھا۔ میں نے تمام حفاظت اور غذا کے انتظامات پر غور کیا تو یہی نتیجہ نکالا کہ عمران کے جسم میں زہر پہنچنے کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو یہ کہ ارمان کسی خفیہ طریقے سے ایسا کرتا ہے یا پھر خود عمران ہی چھپ کر یہ زہر استعمال کر رہا ہے۔ ارمان کے نام سے یہ زہر جس دکان سے خریدا گیا تھا میں نے وہاں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ خریدنے والے کا حلیہ ارمان سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے علاوہ کیا ایک مجرم خود اپنے نام سے زہر خریدنا پسند کرے گا؟ لہٰذا یہ شبہ حق بجانب تھا کہ عمران خود ہی یہ زہر کھا رہا ہے مگر کیوں؟ یا تو وہ پاگل ہے یا دانستہ اپنے بیٹے کو پھنسانا چاہتا ہے۔ کیا حقیقی اور اصلی عمران سے آپ ایسی توقع کر سکتے ہیں؟ میرے شبہے کے لیے یہی باتیں کافی تھیں لیکن اتفاقاً گھر کی بوڑھی باورچن کی زبانی معلوم ہوا کہ افریقہ کے سفر سے پہلے سر عمران کو میٹھے کا بہت شوق تھا لیکن اب ایک لقمہ بھی کھا لیں تو قے ہو جاتی ہے۔ لذیذ شیریں غذا سے رغبت کے بعد یہ زبردست تبدیلی فطری بات نہیں ہے۔''

''بالکل درست۔'' ایک اخباری نمائندے نے کہا۔ ''لیکن آپ نے یہ کیسے محسوس کیا کہ حکم کا بادشاہ یہی شخص ہے جسے ہم سر عمران سمجھتے ہیں؟''

''اس کا احساس مجھے محض اتفاقاً ہوا تھا۔'' شہاب نے جواب دیا۔ میں نے شہلا سے چند آدمیوں کے ناموں کی فہرست اس ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کرنے کو کہا تھا جو عمران کے کمرے میں موجود تھی۔ اس وقت میرا مقصد محض شہلا کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرنا تھا۔ ان سے یہ ثابت ہو گیا کہ شہلا دراصل ایک سزا یافتہ آوارہ عورت تھی' بنگال پولیس نے اس کا پورا ریکارڈ مجھے بھیج دیا ہے لیکن میں نے یہ بھی دیکھا کہ حکم کے بادشاہ کا جو سب سے پہلا خط مجھے اپنی کار میں پڑا ہوا ملا تھا وہ اسی ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کیا گیا تھا۔ جس پر شہلا نے فہرست ٹائپ کر کے دی تھی۔ اس لیے یہ شبہ کرنا صحیح تھا کہ عمران کے خصوصی کمرے میں رکھے ہوئے ٹائپ رائٹر پر اگر حکم کے بادشاہ کا خط ٹائپ ہوا ہے تو عمران اور حکم کا بادشاہ ایک ہی ہستی کے دو نام ہو سکتے ہیں۔ اس طرح اگر عمران کو حکم کا بادشاہ مان لیا جائے تو یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ عمران جعلی عمران ہے کیونکہ حکم کے بادشاہ کے خطوط میں تمام تر شبہ ارمان کی طرف ہوتا تھا اور حقیقی سر عمران اپنے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی طرف ایسا خیال منسوب نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ سوچنا غلط نہ تھا کہ عمران ایک جعلی عمران ہے اور وہی حکم کا بادشاہ بھی ہے۔

اس طرح یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ پہلے دن جب مجھے عمران منزل میں طلب کیا گیا تو میری کار میں حکم کے بادشاہ کا خط کہاں سے اور کیسے آ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ گفتگو کے دوران جعلی عمران کوئی چیز بطور امانت میرے پاس رکھوانے کے لیے لانے کے بہانے باہر گیا تھا۔ درحقیقت اس نے وہ خط پہلے ہی ٹائپ کر لیا تھا اور اس بہانے باہر جا کر وہ خط میری کار میں ڈال دیا۔''

''اور آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ رستم مجھے بلیک میل کر رہا تھا؟'' ارمان نے پوچھا۔

''سب سے پہلے اس تحریر سے جو میں نے پہلے ہی روز جعلی عمران کے بستر کی چادر کے نیچے رکھی دیکھی تھی۔'' شہاب نے کہا۔ ''مجھے معلوم تھا کہ آپ فضول خرچ ہرگز نہیں ہیں پھر معقول ماہانہ جیب خرچ پانے کے بعد بھی آپ کو مزید اخراجات کے لیے روپیہ مانگنے کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ اس طرح یہ شبہ پیدا ہوا کہ آپ کسی خفیہ مد پر اخراجات کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہوٹل میں فیروزہ نے آپ کو رستم سے ملاقات کرتے دیکھا تو وہ پورا واقعہ مزید شکوک کا محرک ہوا اور آخر کار آپ سے بعد میں گفتگو ہوئی تو معلوم ہو گیا کہ اخراجات کا وہ خفیہ مد کون سا ہو سکتا ہے۔ اگر آپ نے اسی دن تصویر کا راز بتا دیا ہوتا تو شاید یہ ڈراما بہت پہلے ہی ختم ہو گیا ہوتا اور رستم اور شہلا کی جان بھی بچ جاتی۔''

یکایک ہال کی خاموشی میں ایک گلوگرفتہ آواز گونج اٹھی اور سب کی نظریں حکم کے بادشاہ کی طرف اٹھ گئیں۔

''آپ حیرت ناک انسان ہیں مسٹر شہاب۔'' حکم کا بادشاہ کہہ رہا تھا۔ ''اگر مجھے آپ کی ذہانت کا پورا احساس ہوتا تو یقیناً آپ اور مسٹر پریم اس روز زندہ نہ چھوڑے جاتے۔ جب ہوٹل کے کمرے میں آپ دونوں کو میرے آدمی اپنے قبضے میں کر چکے تھے۔''

''میں اور مسٹر پریم' اس روز اپنی رہائی کے لیے تمہاری غلط فہمی سے زیادہ مس فیروزہ کی ذہانت اور دلیری کے ممنون احسان ہیں۔'' شہاب نے کہا۔ ''تمہارا خیال تھا کہ میں اس حملے کو ارمان سے منسوب کروں گا۔ اسی لیے تم نے بعد میں میرے ٹیلی فون پر کسی اجنبی کے ذریعے یہ پیغام پہنچایا تھا کہ اگر ہم لوگ ایک ظالم باپ کو بچانے کے خبط سے دست بردار نہ ہوئے تو آئندہ ہمیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ پیغام کے یہ الفاظ بظاہر ارمان کے جذبات کے ترجمان معلوم ہوتے تھے لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ ارمان اگر واقعی ہم پر حملہ کرنے کا مجرم تھا تو وہ ایسے الفاظ کہہ کر اپنے جرم کا اقبال کیسے کر سکتا تھا؟

بات دراصل یہ ہے کہ جعلی عمران کے روپ میں تم خود کو اس قدر محفوظ سمجھتے تھے کہ معمولی باتوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے تھے لیکن ان معمولی غلطیوں ہی نے تمہارے راز کو طشت از بام کر دیا۔ تم نے خود کو عمران مرحوم کی شکل میں تبدیل کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب تمہاری کوئی بھی غلطی تمہارے راز کو صدمہ نہیں پہنچا سکتی۔ تم ساری دنیا کو احمق سمجھ بیٹھے اور سب سے زیادہ احمق شاید مجھے سمجھا۔ ورنہ تم خود مجھے اس معاملے میں مدد کے لیے طلب نہ کرتے۔ سفید گلاب اور سرخ تیر کا وہ واقعہ تو یاد ہوگا تمہیں۔ تمہاری یہ حرکت تمہاری ایک اور بڑی حماقت تھی۔ تم نے ڈاکٹر زیرو کے روپ میں اپنی رفیقۂ کار شہلا کو ہدایت کی کہ کسی سرخ رنگ میں ایک تیر ڈبو کر جعلی عمران یعنی خود تمہارے کمرے میں ایسے وقت چلائے جب کہ میں تمہارے پاس موجود ہوں۔ اس نے تیر کو سرخ کرنے کے لیے اپنی لپ اسٹک استعمال کی لیکن جلدی میں اس کے لباس میں لگا ہوا سفید پھول گر گیا۔ جب تم نے سفید گلاب میرے ہاتھ میں دیکھا تو فوراً ہی اس واقعے کو بھی ایسا رنگ دینا شروع کر دیا جس سے تیر کے ذریعے دھمکی دینے کا شبہ ارمان کی طرف چلا جائے۔ تم نے بتایا کہ سفید گلاب خاص طور پر ارمان کو پسند ہیں۔ اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ تیر پر لگی ہوئی سرخی لپ اسٹک کی ہے تو شاید تم ایسا نہ کہتے۔“

حکم کے بادشاہ نے یاس کی حالت میں سر جھکا لیا۔

کمرے میں ایک بار پھر سکوت چھا گیا۔

”عجیب طلسم ہے یہ بھی۔“ نجمی نے کہا۔ ”یہ ایک ذات شریف ہی ہیں جو کہیں حکم کا بادشاہ کہیں ڈاکٹر زیرو اور کہیں سر عمران بن کر سامنے آئے ہیں لیکن آخر یہ ہیں کون صاحب؟“

”اس کا جواب دینے کے لیے مجھے ایک پاگل عورت کی ضرورت پڑے گی۔“ شہاب نے مسکرا کر کہا اور فیروزہ کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ کیا۔ فیروزہ فوراً ایک ملحقہ کمرے کی طرف چلی گئی اور دو منٹ بعد اپنے ساتھ دیوانی راشدہ کو لیے ہوئے واپس آئی۔ راشدہ نے ہال میں آ کر پہلے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور لپک کر حکم کے بادشاہ کے سامنے جا پہنچی۔ ایک گہری نظر سے اس نے حکم کے بادشاہ کو دیکھا پھر مسکرائی اور قہقہہ لگا کر بولی۔

”قیصر..... قیصر.....“

”قیصر.....؟“ ہال میں کئی تحیر آمیز آوازیں ابھریں۔

”جی ہاں۔“ شہاب بولا۔ ”یہ مجرم جو جعلی عمران، حکم کا بادشاہ اور ڈاکٹر زیرو رہ چکا ہے۔ دراصل قیصر ہی ہے۔ سر عمران مرحوم کا دغا باز دوست..... اس نے افریقہ میں سر عمران کے مرنے کی بجائے اپنی موت کی خبر پہنچائی اور پھر ڈاکٹر راجرس کے ذریعے جعلی سر عمران بن بیٹھا۔ باقی افسانہ آپ سن ہی چکے ہیں۔ اس نے سر عمران کے روپ میں ساری دنیا کو کامیاب فریب دیا لیکن اپنی محبت کرنے والی بیوی راشدہ کے غیر متوازن دماغ کو دھوکا نہیں دے سکا۔ اس نے ہندوستان آ کر فرضی مرحوم قیصر کی وصیت کا بہانہ کر کے جعلی عمران کے بھیس میں خود اپنی بیوی سے دوبارہ شادی کی۔ کیونکہ بہر حال وہ ایک انسان تھا اور جانتا تھا کہ اس کی موت کی جھوٹی خبر ہی سے راشدہ دیوانی ہوئی ہے۔ ایسی عاشق و پرستار بیوی کو وہ اپنی نگرانی میں رکھنا چاہتا تھا۔ ایسا کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ جعلی عمران اس سے شادی کر لے۔ لیکن دیوانوں کی دنیا ہی عجیب ہے۔ ان کا دماغ ناکارہ ہو جاتا ہے لیکن بعض اوقات ان کا دل اپنے ماضی کو نہیں بھولتا اور یہ راشدہ کا محبت بھرا دل ہی تھا جس نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ عمران نہیں بلکہ قیصر ہی ہے۔ جعلی عمران یا قیصر نے مجھے یہ بتا کر مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ راشدہ دیوانگی میں سب کو ہی قیصر کہتی ہے۔ ممکن ہے وہ بعد میں خود قیصر کے سکھانے پر ایسا کرنے لگی ہو لیکن مجھے تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جعلی عمران کی واپسی سے قبل راشدہ کسی کو قیصر نہیں کہتی تھی۔ عمران کی شکل میں جب قیصر بمبئی واپس آیا تو سب سے پہلے پاگل راشدہ نے اس کو ہی قیصر کہہ کر مخاطب کیا تھا اور.....“

”قیصر..... قیصر.....“ پاگل راشدہ پھر قہقہہ لگا کر بولی۔

لوگوں نے دیکھا کہ قیصر کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

”جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قیصر ایک شاہی لقب ہے۔ روم کے بادشاہ قیصر کہلاتے تھے۔“ شہاب بولا۔ ”اس لیے ممکن ہے کہ مجرم نے اپنے نام کی مناسبت سے اپنا خفیہ نام حکم کا بادشاہ رکھ لیا ہو۔“

سب لوگ چپ چاپ اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔

”قیصر..... قیصر۔“ دیوانی راشدہ کہے جا رہی تھی۔